جلد ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۶ء شمارہ ۴

ماہنامہ

میثاق

لاہور

✱

زیر سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

★

مدیر مسئول

اسرار احمد

✱

یکے از مطبوعات

دار الاشاعت الاسلامیہ

بالمقابل ڈاکخانہ کرشن نگر، لاہور- ۱

قیمت فی پرچہ، ساٹھ پیسے
سالانہ: چھ روپے (پندرہ شلنگ)

(مشرق پاکستان سے بذریعہ ہوائی ڈاک چودہ روپے)

آپ کے خطوط سے

★

''آپ کی کتاب ''تحریک جماعت اسلامی : ایک تحقیقی مطالعه'' ماهنامه زندگی میں تبصرے کے لیے نہیں آئی ۔ ایک جلد یہاں آئی ضرور تھی مگر وہ ماهنامے کے لیے نه تھی ۔ میں نے آپ کی کتاب پڑھی ھے اور اس سے متاثر ھوا ھوں ۔ میں اس پر تبصرہ بھی کرنا چاھتا ھوں ۔ تبصرے کے لیے اپنی کتاب ھمارے پاس بھیج دیں ۔ شکر گزار ھوں گا ۔ امید ھے که ماهنامه زندگی آپ کے ملاحظے سے گزرتا رھتا ھوگا ۔''

سید احمد عروج قادری
مدیر ماهنامه ''زندگی'' رام پور (بھارت)

★

''اس ماہ 'میثاق' میں 'نقض غزل' کی دوسری قسط دیکھی ۔ اصلاحی صاحب کا خط خاصا تیز اور زور دار ھے ۔ اللہ نے انہیں زور قلم اور ذھن رسا عطا فرمایا ھے ۔

یہاں چند حضرات جماعت کے حلقۂ متفقین و متاثرین میں سے ایسے ھیں جو جماعت سے اختلاف کے ابتدائی دور میں خاصی بحث و تمحیص کیا کرتے تھے ۔ میری بات اُن کی سمجھ میں نہیں آتی تھی — اب وہ آپ کی تحقیقی کتاب پڑھ کر اُس موقف کو نه صرف سمجھ گئے بلکه قائل ھو گئے ۔ میثاق کا بھی یه حضرات باقاعدہ مطالعه کر رھے ھیں ۔ ۔ ۔ ۔''

سید شیر محمد شاہ ایم ۔ اے' بی ۔ ایڈ
پاک پتن

★

''...... آپ کی کتاب مل گئی تھی ۔ میں نے اس کا کئی مرتبه مطالعه کیا ۔ خوب لکھا ھے اور بہت ھی عمدہ تجزیه کیا ھے ۔ اکثر مواد تو ایسا ھے گویا که آپ نے میرے دل کی بات ھی لکھی ھو ۔''

ڈاکٹر صاجزادہ محمد انور (مسلم سرحدی)
ایم بی بی ایس ، ٹی ڈی ڈی
پشاور

★

''...... آپ کی کتاب تحریک جماعت اسلامی کا مطالعه کیا ۔ جماعت اسلامی کے پرانے اور نئے موقف کا جس طرح آپ نے تجزیه کیا ھے وہ قابل مبارکباد ھے ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ھے که جس مقصد کے لیے آپ نے یه کتاب لکھی ھے وہ مقصد پورا کرائے ۔ ۔ ۔ ۔''

محمد یوسف ، مقبول آباد ۔ کراچی نمبر ۵

ہندوستانی خریدار

مندرجه ذیل میں سے کسی ایک جگه رقوم ارسال کرکے ھمیں مطلع فرماویں :

۱ ۔ دفتر ماهنامه ''الفرقان'' کچہری روڈ ، لکھنؤ
۲ ۔ دائرۂ حمیدیه ، سرائے میر ، اعظم گڑھ

وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

میثاق لاہور

جلد	۱۲
شمارہ	۴

بابت
ماہِ اکتوبر سنہ ۱۹۶۶ء
مطابق
جمادی الثانی سنہ ۱۳۸۶ھ

فہرست

* تذکرہ وتبصرہ —— • مولانا امین احسن اصلاحی ۲
• اسرار احمد
* تدبر قرآن —— مولانا امین احسن اصلاحی
مقدمہ ۹
تفسیر سورۂ آل عمران (۱۰) ۱۵
* افاداتِ فراہیؒ —— ۳۱
نفس میں گناہوں کا سرچشمہ خالد مسعود
* مقالات —— ۳۷
زکوٰۃ کی حقیقت خالد مسعود
* افکار و آراء
تحریک جماعت اسلامی پر تبصرے • ادارہ اجمل بلاغ ۴۱
• مولانا ابو منظور شمیم احمد ۵۰

کور کے اندرونی صفحات ۲، ۳ —— "آپ کے خطوط سے"

☐ اس جگہ سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ اس شمارے کیساتھ آپ کا زرمبادلہ ختم ہو رہا ہے۔ آئندہ کیلئے :۔

* سالانہ زرمبادلہ مبلغ چھ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں
* اگر آپ کسی وجہ سے سالانہ خریداری جاری رکھنا نہ چاہیں تو ہمیں مطلع فرمادیں —— ورنہ
* آئندہ شمارہ آپ کو سالانہ زرمبادلہ اور محصول ڈاک کی مالیت کا وی۔پی ارسال ہوگا اور اس کو وصول کرنے کے آپ اخلاقاً ذمہ دار ہوں گے۔

ترسیل زر اور
جملہ خط کتابت
کا پتہ
دارالاشاعت الاسلامیہ بالمقابل ڈاکخانہ کرشن نگر لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

جو لوگ مذہب کے نام سے کام کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگوں میں خدا پرستی کی روح بیدار ہو انہیں یہ حقیقت ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ خدا کے ہاں صرف وہی عمل مقبول ہوگا جو شریعت کے مطابق ہوگا اور جو صرف خدا کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی کو پیشِ نظر رکھ کر کیا جائے گا جو عمل شریعت کے خلاف ہے خواہ وہ کتنی ہی نیک نیتی کے ساتھ انجام دیا جائے، خدا کے ہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اگر آپ لاٹری ڈالیں تاکہ اس کی آمدنی سے مسجد تعمیر کرائیں، جوا کھیلیں تاکہ اس کی یافت سے غریبوں کی امداد کریں، ڈانس کرائیں تاکہ اس کے ٹکٹ فروخت کر کے قحط زدوں کی امداد کریں تو ہرچند ان ساری صورتوں میں آپ کی نیت بخیر ہے، آپ نے اچھے ارادے کے ساتھ یہ کام کئے ہیں لیکن یہ کام خدا کے ہاں موجب اجر ہونے کے بجائے آپ کے لئے موجب وبال ہوں گے اس لئے کہ یہ اعمال بجائے خود شریعت میں حرام ہیں۔ ارتکابِ حرام کا جرم اس صورت میں تو ہلکا قرار پا سکتا ہے جب اس کا صدور بے قصد و ارادہ یا مجبورانہ حالت میں ہو جائے لیکن اگر آپ خود اپنے اہتمام میں اور اپنے ارادے سے مکروہات و محرمات کا مظاہرہ کریں اور خیال یہ کریں کہ یہ جو کچھ آپ نے کیا ہے اللہ کے دین اور اس کے رسولؐ کی شان بڑھانے کے لئے کیا ہے تو یہ حماقت اور بلادت ہونے کے علاوہ خدا کے غضب کو دعوت دینے والی بہت بڑی جسارت بھی ہے۔

اسی طرح اس عمل کی بھی خدا کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے جو خدا کی خوشنودی اور آخرت کی فلاح کے سوا کسی اور مقصد سے کیا جائے۔ اگرچہ وہ عمل کتنی ہی نیکی اور دینداری کا ہو۔ اسلام میں نماز جہاد اور ہجرت سے زیادہ اونچا درجہ اور کس عمل کا ہو سکتا ہے لیکن ان اعمال سے متعلق بھی قرآن اور حدیث دونوں ہی میں خبر دی گئی ہے کہ نیت میں ذرا فساد ہو تو یہ اعمال بھی اکارت ہو جاتے ہیں — ہجرت دنیا طلبی بن جاتی ہے، جہاد حصولِ شہرت و ناموری کا بہانہ قرار پاتا ہے اور نماز، جو معراج مومن ہے، ریاکاری کے درجے میں آکر مستحق ویل ہو جاتی ہے لکل امرئٍ ما نویٰ۔ ہر آدمی بدلہ اپنے عمل کے ظاہر کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی باطنی نیت ہی کے لحاظ سے پائے گا۔

اگرچہ نیتوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، وہی غیب کا جاننے والا ہے اس لئے وہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس کی نیت کس عمل سے کیا ہے۔ ہم آپ تو صرف ظاہر ہی پر حکم لگا سکتے ہیں، کسی کی نیت کے بارے میں بغیر کسی واضح قرینہ اور کسی مضبوط شہادت کے ہمیں کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن اس زمانے میں دین کے دعوے داروں کے کام میں جو بے برکتی ہے وہ غمازی کرتی ہے کہ آوازوں میں جتنی گھن گرج ہے، دلوں میں اتنی حرارت نہیں ہے۔ آج اصلاح وتذکیر کے لیے جتنے لمبے لمبے وعظ ہو رہے ہیں شاید ہی کبھی پہلے ہوتے ہوں۔ دین کے نام سے جتنا لٹریچر آج چھپ کر فروخت ہو رہا ہے شاید ہی یہ کاروبار اس پیمانے پر کبھی پہلے ہوا ہو، اقامت دین کی مہم کی جو گرما گرمی بظاہر اس دور میں دکھائی دے رہی ہے کوئی دوسری مثال اس کی مشکل ہی سے مل سکے گی، لیکن جہاں تک نتیجے اور اثر کا تعلق ہے، اس کے نقطۂ نظر سے جائزہ لیجئے تو سب ٹائیں ٹائیں فش ـــ صرف یہی نہیں کہ کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ بلکہ حالات روز بروز بگڑتے ہی جا رہے ہیں بلکہ اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ دین کے معاملے میں جو غلط فہمیاں پہلے تھیں، ان میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے اور بعض اضافے تو اتنے سنگین ہیں، کہ اچھا خاصا خطرہ اس بات کا پیدا ہو گیا ہے کہ مسلمان جو پہلے ہی بے شمار اختلافات اور تفرقوں میں مبتلا تھے کسی اور نئے تفرقے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

ہمارے نزدیک اس بے برکتی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ آج دین کے نام سے جو کام ہو رہے ہیں یا تو وہ خود دین سے بے جوڑ ہیں یا دلوں میں خدا کی رضا اور آخرت کی فلاح کے سوا کچھ دوسری ہی خواہشیں اور چاہتیں رچی بسی ہوئی ہیں جن کا اثر یہ نمایاں ہوتا ہے کہ دین کے نام سے جو کام بھی کئے جاتے ہیں یا تو وہ بالکل بے نتیجہ ہو کر رہ جاتے ہیں یا پھر بتدریج ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، جس سے ملت کا انتشار وافتراق روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے۔

قدم کو جادۂ حق پر استوار رکھنے کے لئے سب سے مقدم شے یہی ہے کہ اپنے کام کے صلے میں آدمی اللہ کی رضا کے سوا اور کسی شے کا طالب نہ ہو۔ اگرچہ یہ بات کہنے میں جتنی ہی آسان ہے کرنے میں اتنی ہی مشکل ہے، بہت کم ایسے نصیبہ ور نکلتے ہیں جو اس کسوٹی پر پورے اترتے ہیں لیکن دینی کاموں کی اصلی روح یہی ہے۔ اگر یہ روح غائب ہو جائے تو دین داری تمام تر دنیا داری بن کر رہ جاتی ہے، جس سے فائدہ کچھ بھی نہیں ہوتا، نقصان بہت ہوتا ہے۔ آدمی جب تک اپنے رب

سے وابستہ رہتا ہے اسی وقت تک اپنے گردوپیش کے برے اثرات اور شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔ جوں ہی اس کی نیت میں خدا کی رضاجوئی اور آخرت کے سوا کوئی اور طلب داخل ہوئی خدا سے اس کا رشتہ ٹوٹا اور جوں ہی خدا سے اس کا رشتہ ٹوٹا، شیطان کو اس پر قابو پانے کا موقع ملا۔ پھر ایک گمراہی سے دوسری گمراہی اور دوسری سے تیسری گمراہی پیدا ہونی شروع ہوتی ہے۔ یہانتک کہ گمراہیوں کا ایک کنبہ آباد ہوجاتا ہے۔ جس سے چھوٹنا آدمی کے لیے ناممکن ہوجاتا ہے۔

جو لوگ خدا اور آخرت کے سوا کسی اور چیز کو اپنا نصب العین بنا لیتے ہیں وہ ساری رہنمائی اپنے اسی نصب العین سے حاصل کرتے ہیں۔ وہی چیز ان کے لئے حق و باطل کا معیار بن جاتی ہے اسی کو سامنے رکھ کر وہ اپنے سارے نقشے اور منصوبے بناتے ہیں اور اسی کی روشنی میں اگر وہ ضرورت محسوس کرتے ہیں تو ایک شئے کو اپنے پروگرام سے خارج کر دیتے ہیں اگرچہ کل تک وہ اس کو دین قرار دیتے رہے ہوں

. . . .

. . . . ۔ اور اگر ضرورت محسوس کرتے ہیں تو ایک چیز کو اپنے پروگرام کا جزو بنا لیتے ہیں اگرچہ کل تک ان کا فتوٰے اس کے کفر ہونے کے بارے میں معلوم عوام وخواص رہا ہو اس چیز کو وہ حکمت عملی کا مقتضٰی سمجھتے ہیں اور ان کی یہ حکمت عملی پورے دین پر حاوی ہوتی ہے۔ اگر دین کی کوئی چیز ان کے قامت پر راست نہیں آتی تو مقراضِ پیراہن نواز کی مدد سے وہ اس کو تراش خراش کر موزوں بنا لیتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی نہ تو علمی، مذہبی، تاریخی اور سیاسی رایوں ہی پر اعتماد کیا جا سکتا نہ ان کے عقائد و ایمانیات ہی پر۔ جس طرح بچے اپنے مٹی کے گھروندے بناتے بگاڑتے رہتے ہیں اس سے زیادہ آسانی اور بے پروائی کے ساتھ اپنے مزعومہ مصالح کی خاطر، یہ خود اپنے پیش کردہ آراء و افکار اور اپنے اعلان کردہ عقائد و نظریات کے تار و پود بکھیرتے رہتے ہیں۔ ایک ہی تاریخ، ایک ہی ذخیرۂ معلومات اور ایک ہی ماخذ استنباط و استدلال کی روشنی میں وہ اسلاف کے ایک گروہ کو ایک دن بے گناہ اور ہر شبہے اور تہمت سے بری قرار دیں گے۔ اور اگر ان کی کسی دنیوی اور سیاسی غرض کا تقاضا ہوجائے تو بعینہٖ انہی مصادر و مراجع کے حوالے سے اسی مقدس گروہ پر دوسرے دن تبرا بازی بھی کر ڈالیں گے اور لطف یہ کہ اپنے اس تضادِ فکر پر نہ صرف یہ کہ کوئی شرمندگی نہیں محسوس

کریں گے بلکہ ان دونوں ہی باتوں کو یکساں تحقیق وتنقید کا ایک مثالی کارنامہ قرار دیں گے اور ان کے بہت سے معتقدین یہ احساس رکھتے ہوئے بھی کہ ان دونوں باتوں میں سے ایک ہی بات صحیح ہو سکتی ہے، محض اپنے ذاتی اغراض کے لئے کہ ٹکے کی اس دلالی میں رات دن ڈٹے رہتے ہیں اور ان کو ذرا احساس نہیں ہوتا کہ کل انہیں مرنا اور خدا کو بھی منہ دکھانا ہے۔

ان کی دوستی اور دشمنی بھی ان کے اغراض کے تابع ہو جاتی ہے۔ مومن کے نقطۂ نظر سے جن کے ساتھ ان کی دشمنی ہونی چاہیئے، محض اپنے دنیوی وسیاسی حوصلوں کے لئے ان کی طرف یہ محبت کی پینگیں بڑھاتے ہیں اور ان کے خیر سے زیادہ ان کے شر کی تائید وتقویت کا ذریعہ بنتے ہیں اور جن سے دوستی ہونی چاہیئے ان کے یہ دشمن بن جاتے ہیں اور ان کے ساتھ ان کو حریفانہ کاوش ہو جاتی ہے۔ ان کے تمام دینی واخلاقی اقدار یک قلم بدل کے کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ جن کی تحریروں کی دو سطریں بھی کوئی خوش مذاق آدمی پڑھنا گوارا نہ کرے گا یہ محض اس لئے ان کو لوگوں میں تبرک کے طور پر تقسیم کرتے پھریں گے کہ ان کے لکھنے والے ان کے مخالفوں کو گالیاں دینے اور ان کے نقادوں کی پگڑیاں اچھالنے میں نہایت بے باک ہیں۔ اسی طرح جن اداروں کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہ بعض حکومتوں نے اپنے سیاسی حریفوں کے خلاف ان کو پروپیگنڈے کے لئے قائم کیا ہے ان کو یہ اس حیثیت سے پیش کرتے ہیں کہ جس طرح اسلام نے دنیا کو جاہلیت کی تاریکی سے نکالا اسی طرح فلاں ادارہ بھی دنیا کو موجودہ جاہلیت سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لائے گا اور یہ دنیا از سر نو حق کی روشنی سے بقعۂ نور بن جائے گی۔

اس قماش کے لوگوں سے یہ خوش گمانی رکھنا کہ ان کے ہاتھوں دین کی کوئی خدمت انجام پا سکے گی خود دین سے انتہائی بدگمانی کے مترادف ہے۔ اسلام اللہ کا دین ہے، اس کی کسی خدمت کی توفیق پا سکتے ہیں تو وہی پا سکتے ہیں جو صرف اللہ کی رضا اور آخرت کی طلب کے لئے اس کی خدمت کریں گے۔ یہ خدمت چھوٹی بھی ہو سکتی ہے، بڑی بھی ہو سکتی ہے لیکن چونکہ اس کی تہ میں اخلاص ہوتا ہے اس وجہ سے ملت کی تاریخ میں بھی اس کے نقوش باقی رہتے ہیں اور آسمانوں پر بھی اس کا چرچا ہوتا ہے۔ اسی قسم کے نفوس قدسیہ ہیں جن کی جان بازیوں اور قربانیوں سے تجدید واحیائے ملت کی تاریخ بنی ہے اور آئندہ بھی اگر اس میں کسی صفحۂ نورانی کا اضافہ ہونا ہے تو انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوگا جو اسلام کے سرپرست بنکر نہیں، بلکہ اس کے خادم اور حلقہ بگوش بنکر اس کی کوئی خدمت انجام دیں گے۔ جن لوگوں نے اسلام کی خدمت

کے نام سے اپنے دنیوی اور سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے ان کے نام اگر باقی ہیں تو صرف کسی چھوٹے یا بڑے فتنے کی یادگار کی حیثیت سے باقی ہیں اور ظاہر ہے کہ اس طرح باقی رہنے سے ہزار درجہ بہتر نہ باقی رہنا ہی تھا۔ بلکہ ایسے لوگوں کے بارے میں تو یہ کہنا بھی شاید بے جا نہیں کہ اے کاش! ان کی ماؤں نے ان کو جنا ہی نہ ہوتا۔

اس تمام گزارش کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کی کوئی چھوٹی خدمت کیجئے یا بڑی اس حقیقت کو ہمیشہ یاد رکھئے کہ ہر خدمت کی بڑائی اور اچھائی کا انحصار آپ کے خلوص پر ہے۔ خلوص کے ساتھ کوئی خدمت بھی چھوٹی نہیں اور خلوص کے بغیر ہر خدمت حقیر و بے وقعت ہے۔ اس وجہ سے کسی کام کی کمیت سے زیادہ اس کی کیفیت اور مقدار سے زیادہ اس کی معنویت پر نگاہ رکھئے اور اس پہلو سے برابر اپنا احتساب کرتے رہیئے اور ساتھ ہی اس بات کو بھی یاد رکھیے کہ اللہ کا دین ہمارا محتاج نہیں ہے بلکہ ہم ہی اس کے محتاج ہیں۔ ہم اگر دین کی کوئی خدمت کرتے ہیں تو اس کا حقیقی نفع ہمیں کو پہنچتا ہے۔ اس وجہ سے کسی کا بھی یہ مرتبہ نہیں ہے کہ وہ دین کا محسن بنے بلکہ یہ اللہ کا احسان ہے کہ کسی کو دین کی کسی خدمت کی توفیق ملے۔

(۲)

مصر میں جمال عبدالناصر صاحب کے ہاتھوں سید قطب اور ان کے ساتھیوں کا پھانسی پانا پورے عالم اسلام کا ایک عظیم المیہ ہے۔ ہر اسلامی حس رکھنے والے انسان کو اس حادثے سے انتہائی صدمہ پہنچا ہے۔ ہم جمال عبدالناصر صاحب کو ایک طاقت ور اور بہادر آدمی سمجھتے تھے لیکن ان کے اس اقدام نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ نہایت کمزور اور نہایت ڈرنے والے آدمی ہیں۔ اگر سید قطب جیسے لوگوں سے بھی ان کو اندیشہ تھا کہ وہ ان کے اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے اقتدار کی عمارت ایک تودۂ ریت پر قائم ہے۔ ایسے کمزور اقتدار کی حفاظت وہ کتنے دنوں کر سکیں گے! سید قطب، جہاں تک ہمیں علم ہے ایک علمی و اسلامی ذہن رکھنے والے آدمی تھے، ان کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی فساد فی الارض کے بانی یا محرک ہو سکتے ہیں۔ اخوان بحیثیت ایک جماعت کے اب ختم ہو چکے ہیں اور اگر ان کی کوئی جمعیت ہو بھی تو ان کی کسی رائے، کسی اسکیم اور ان کے لب و لہجہ سے تو اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے خلاف اس قسم کے کسی ظالمانہ و منتقمانہ اقدام کے لیے کوئی ادنٰے جواز بھی تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے پہلے عبدالقادر عودہ کو پھانسی

دے کر حکومت مصر نے پورے عالم اسلام کو ایسا عظیم نقصان پہنچایا کہ اس کی تلافی صدیوں تک بھی شاید نہ ہو سکے۔ اب یہ دوسرا اقدام بھی اس سے کم درد انگیز نہیں ہے۔ قرآن و حدیث میں صالحین و مصلحین کے قتل پر جو وعیدیں ہیں، ان کا خیال کر کے دل کانپ جاتا ہے کہ ایسے ناعاقبت اندیش حکمران کہیں اپنی پوری قوم کو مبتلائے عذاب نہ کر دیں۔ جو لوگ اسلام کی خدمت اور اعلائے کلمۃ الحق کے جرم میں قتل اور پھانسی کی سزائیں پاتے ہیں، وہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہو کر کامیاب و بامراد اپنے رب کے پاس پہنچ جاتے ہیں، اس وجہ سے سید قطب اور ان کے ساتھیوں کی فیروزمندی و ارجمندی پر ہر باایمان مسلمان رشک کرے گا۔ البتہ ان لوگوں پر ماتم ہے جن کا وجود ان کی پوری قوم کے لئے خطرے کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مصری بھائیوں پر رحم فرمائے اور ان کو اس ظلم کے وبال سے امان میں رکھے!

(۳)

عربی زبان کے مشہور ادیب اور عالم مولانا خلیل عرب پچھلے ماہ کراچی میں انتقال فرما گئے۔ مولانا عربی زبان کے ایک جید عالم تھے اور اس زبان سے قومی اور تعلیمی دونوں اعتبار سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اس کے اندر ان کو تبحر بھی حاصل تھا اور اس کی خدمت کے لئے اپنے اندر جوش و محبت بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے ساری زندگی تعلیم ہی کے کام میں بسر کی اور ان کے فیض صحبت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے جو آج پاک و ہند دونوں میں شہرت کا مقام رکھتے ہیں۔ اب ایک عرصے سے پیری و ناتوانی کے غلبہ کی وجہ سے کسی علمی و تعلیمی خدمت سے معذور ہو چکے تھے۔ لیکن خدمت کا جذبہ ان کے اندر بدستور جوان تھا۔ افسوس ہے کہ ہماری قوم میں کوئی ایسا انتظام نہیں ہے کہ علم و فن کے ایسے خدمت گزاروں کی ان کی پیری و ناتوانی کے دور میں قدردانی ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو آخرت کے اعلیٰ مراتب عطا فرمائے اور ان کے اعزا و پس ماندگان کو صبر جمیل بخشے!

امین احسن اصلاحی

(۴)

ہمیں اپنے متعدد کرم فرماؤں کی جانب سے تقریباً ایک ہی معنوں کے خطوط موصول ہوئے ہیں۔ مولانا ابو منظور شبیر احمد صاحب کے مکتوب کے حسب ذیل الفاظ سے ان سب کے مفہوم کی ترجمانی ہو جاتی ہے۔

> "ستمبر کا میثاق نظر نواز ہوا۔ پرچے کے بیشتر صفحات جماعت اسلامی کی تنقید پر مشتمل ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ اس موضوع کو "تحریک جماعت اسلامی حصہ دوم" کی ایک ہی قسط تک محدود رکھیئے۔ نہ "تذکرہ و تبصرہ" میں اس موضوع پر کچھ کلام کیجئے اور نہ اس سلسلے

کے دوسرے مضامین شائع کیجئے۔ پرچے کی محدود گنجائش میں اس موضوع کو پھیلا دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میثاق کا دائرہ اشاعت بہت تنگ اور محدود ہو جائے گا خصوصیت کے ساتھ "تذکرہ وتبصرہ" کے زیرعنوان آپ دوسرے مسائل و معاملات پر مفید مضامین لکھا کیجئے۔

آپ نے زیرنظر پرچے کے "تذکرہ وتبصرہ" میں ماہر صاحب کے تبصرہ کا تعاقب شروع کیا ہے اور اسے آپ مسلسل لکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے پچھلے دنوں ایک لفافہ خدمت گرامی میں بھیجا تھا۔ اس میں بھی میں نے ماہر صاحب کے تبصرہ کا ذکر کیا تھا اور اب پھر کرتا ہوں کہ یہ ایک لاحاصل زحمت و محنت ہے جس میں آپ پڑ رہے ہیں۔ اگر اس سلسلے کی تمام تحریروں کا تعاقب آپ کرنا چاہیں گے تو دوسرے کام کے لئے آپ ایک منٹ بھی نہیں بچا سکیں گے۔ صفحات کے صفحات سیاہ کرنے اور کتابوں پر کتابیں لکھنے کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ نتیجہ صفر۔ آپ ماشاءاللہ جوان آدمی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالےٰ آپ کو عمر و اقبال دے۔ صحت و طاقت عطا فرمائے۔ آپ کو خدمت دین کے سلسلے میں بہت کام کرنا ہے آپ کہاں ان کانٹوں میں اپنا دامن الجھانے چلے ہیں۔ ستمبر کے "فاران" کے تبصرہ کی تائید میں ایک اور طویل مضمون آگیا ہے۔ مدیر "فاران" نے تو دبی زبان سے آپ کی بعض دلیلوں کو قوی تسلیم کیا تھا مگر یہ مضمون نگار تو آپ کی دلیلوں میں کوئی قوت ہی نہیں پاتے بلکہ انہیں آپ کی کتاب میں کوئی دلیل سرے سے نظر ہی نہیں آتی۔ آپ کے لئے یہی بہت ہے کہ اپنی کتاب کا دوسرا حصہ لکھ رہے ہیں آپ اس سے ہٹ کر دوسری چیزوں کی طرف ذرا التفات ذکریں؟

احقر ابومنظور شیخ احمد

ہماری رائے میں یہ مشورہ صحیح ہے خصوصاً اس مرحلے پر کہ "تحریک جماعت اسلامی" کا دوسرا حصہ زیرتالیف ہے، اور قسط وار شائع ہو رہا ہے اگرچہ شائع شدہ جلد اپنے موضوع پر نہایت واضح ہے تاہم دوسرے حصے کی تکمیل کے بعد انشاءاللہ بات اتنی کھل جائے گی کہ بہت سے اشکالات از خود رفع ہو جائیں گے اور اس وقت کی بہت سی کوشش پھر تحصیل حاصل معلوم ہوگی۔ لہذا فی الحال ہم "تحریک جماعت اسلامی" پر جو تبصرے ہوتے ہیں ان پر تنقید کا سلسلہ بند کر رہے ہیں۔

اس ماہ کچھ نجی اور خانگی امور میں مصروفیت اس درجے رہی کہ "نقض غزل" کی قسط بھی شامل اشاعت نہیں کی جا سکی۔ اس کی جگہ "تحریک جماعت اسلامی" پر جو تبصرے شائع کئے جا رہے ہیں ان سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بہت سی غلط فہمیاں انشاءاللہ دوسری جلد کی اشاعت پر خود بخود ختم ہو جائیں گی لہذا آئندہ سے یہ سلسلہ بھی بند سمجھا جائے۔

اسرار احمد

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

مُقدّمہ

قارئین میثاق کے لئے یہ اطلاع یقیناً بہت مسرت کا باعث ہوگی کہ تدبر قرآن کی جلد اول کے سلسلے میں تفسیر سورۃ فاتحہ اور تفسیر سورہ بقرہ کی کتابت مکمل ہو چکی ہے۔ مولانا اصلاحی صاحب نے ایک مبسوط مقدمہ بھی تحریر فرما دیا ہے جو فراہیؒ مکتب فکر کے اصولِ تفسیر پر ایک جامع دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم اس شمارے سے تفسیر سورۂ آلِ عمران کے ساتھ ساتھ اس مقدمے کی بھی قسط وار اشاعت شروع کر رہے ہیں۔ مدیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامدًا و مصلیًا

اس کتاب پر میں کوئی مقدمہ لکھنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اب سے بہت پہلے میں نے، 'تدبر قرآن' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس کے غالباً دو تین ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ یہ کتاب میں نے اسی مقصد سے لکھی تھی کہ یہ میری تفسیر کے لئے مقدمہ کا کام دے گی۔ چنانچہ ارادہ یہی تھا کہ اسی کو تفسیر کے شروع میں لگا دیا جائے گا لیکن اب جب اس نگاہ سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بہت پہلے لکھے جانے کی وجہ سے اس میں بعض کمیاں بھی رہ گئی ہیں اور اس کے بعض مقامات میں غیر ضروری طوالت بھی ہے۔ اگر اسی کو بعینہٖ کتاب کے ساتھ جوڑ دیا گیا تو یہ اس کتاب کے ساتھ ناانصافی ہوگی چنانچہ دوسرے ضروری کاموں کو نظر انداز کر کے مجھے اس مقدمے کے لئے قلم سنبھالنا پڑا۔ وبید اللّٰہ التوفیق

فہم قرآن کے داخلی و خارجی وسائل

اس تفسیر کے لکھنے میں جن وسائل سے میں نے فائدہ اٹھایا ہے وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو خود قرآن مجید کے اندر ہی موجود ہیں مثلاً قرآن کی زبان، قرآن کا نظم اور قرآن کی تفسیر خود اپنی زبان سے۔ دوسرے وہ ہیں جو قرآن سے باہر کے ہیں مثلاً حدیث، تاریخ، سابق آسمانی صحیفے اور تفسیریں وغیرہ۔ میں نے ان دونوں قسم کے وسائل سے اس تفسیر میں جس جس طرح فائدہ اٹھایا ہے اور اس استفادے میں جو اصول مدنظر

رکھے ہیں، بالاجمال ان کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

میرے پیش نظر چونکہ قرآن حکیم کی ایک ایسی تفسیر لکھنا ہے جس میں میری دلی آرزو اور تمام تر کوشش اس امر کے لیے ہے کہ میں ہر قسم کے بیرونی لوث اور لگاؤ اور ہر قسم کے تعصب و تحزب سے آزاد اور پاک ہو کر ہر آیت کا مطلب سمجھوں اور سمجھاؤں جو فی الواقع اور فی الحقیقت اس آیت سے نکلتا ہے اس وجہ سے میں نے قدرتی طور پر ان وسائل کو اصل اہمیت دی ہے جو خود قرآن کے اندر موجود ہیں۔ دوسرے وسائل جو قرآن سے باہر کے ہیں اگرچہ اپنے امکان کے حد تک میں نے ان سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے لیکن ان کو داخلی وسائل کے تابع رکھ کر ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔ جو بات قرآن کے الفاظ، قرآن کے نظم اور قرآن کی خود اپنی شہادتوں اور نظائر سے واضح ہو گئی ہے وہ میں نے لے لی ہے۔ اگر کوئی چیز اس کے خلاف میرے سامنے آئی ہے تو میں نے اس کی قدر و قیمت اور اہمیت کے لحاظ سے اس کو جانچا ہے اگر دینی و علمی پہلو سے وہ کوئی اہمیت رکھنے والی بات ہوئی ہے تو میں نے اس پر تنقید کر کے اس کو سمجھنے اور اس کے صحیح پہلو کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اگر بات کچھ یوں ہی سی ہوئی ہے تو اس کو نظر انداز کر دیا ہے، بے ضرورت اس پر طبع آزمائی نہیں کی ہے۔

داخلی وسائل

اب مختصر طور پر پہلے فہم قرآن کے داخلی وسائل سے متعلق کچھ باتیں عرض کرتا ہوں۔

زبان کسی کلام کے سمجھنے کا اصلی اور ابتدائی ذریعہ وہ زبان ہوتی ہے جس میں وہ کلام ہوتا ہے۔ قرآن کی زبان عربی ہے اور عربی بھی وہ عربی جو فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے معجزے کی حد کو پہنچی ہوئی ہے۔ جن و بشر میں سے کسی کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ اسکے مثل کلام پیش کر سکے شعرائے سبعہ معلقہ میں لبید آخری شاعر ہیں۔ انکے ایک شعر پر سوق عکاظ میں تمام شعرائے وقت نے انکو سجدہ کیا اور روایت کیمطابق انکا قصیدہ اعزاز کے طور پر خانہ کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔ یہ لبید بعد میں مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے شعر کہنا ترک کر دیا۔ جو شاعر تمام عرب شعراء کا مسجود، ملک الشعرا اور عرب کی فصاحت و بلاغت کا مظہر کامل ہو، اس کے یوں ترک شعر پر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اب آپ شعر نہیں کہتے؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ ابعد القرآن؟ کیا قرآن کے نازل ہو جانے کے بعد بھی اس کے لئے کوئی گنجائش باقی رہ گئی ہے؟

قرآن کے اعجاز بلاغت کے آگے سرافگندگی و سپر اندازی کا یہ اظہار و اعتراف اس عظیم

شاعر کی طرف سے ہے جو اپنے زمانے میں، جیسا کہ گزرا، عرب کی فصاحت و بلاغت کا نشان و علم تھا۔ جب وہ اس طرح قرآن کے آگے سربسجود ہو گیا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ عرب کی تمام فصاحت و بلاغت نے قرآن کی فصاحت و بلاغت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس کے بعد کسی اور کے لیے قرآن کے آگے نگاہیں اونچی کرنے کا کیا امکان باقی رہا؟

اس درجے و مرتبے کے کلام کے زور و اثر اور اس کی خوبیوں اور لطافتوں کا اگر کوئی شخص اندازہ کرنا چاہے تو یہ کام، ظاہر ہے کہ وہ اس کے ترجموں، اس کی تفسیروں اور اس کی لغتوں کے ذریعے سے نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کے لئے اس کو اس زبان کا ذوق پیدا کرنا پڑے گا، جس میں وہ کلام ہے۔ کسی زبان کا ذوق پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے فطری رجحانِ طبیعت اور لطافتِ ذوق کے ساتھ ساتھ اس زبان کی مشق و مہارت ناگزیر ہے۔ برسوں کی محنت و مزاولت کے بعد کہیں آدمی میں اس زبان کا ذوق پیدا ہوتا ہے اور اگر زبان اپنی مادری زبان نہ ہو تو یہ مشکل دوچند اور سہ چند ہو جاتی ہے۔

عربی زبان، بالخصوص قرآن کی زبان کے معاملے میں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ اس وقت وہ زبان کہیں بھی رائج نہیں ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ عرب اور عجم دونوں ہی میں اس وقت جو عربی پڑھی پڑھائی اور لکھی بولی جاتی ہے وہ اپنے انداز و اسلوب، لب و لہجہ اور الفاظ و محاورات میں بہت حد تک اس زبان سے مختلف ہے، جس میں قرآن ہے۔ ہمارے اپنے عربی مدرسوں میں جو عربی پڑھی پڑھائی جاتی ہے وہ قلیوبی، نفحۃ الیمن یا زیادہ سے زیادہ حریری و متنبی کے قسم کی عربی ہے۔ عرب، شام اور مصر میں جو عربی رائج و مقبول ہے اس کا اندازہ ان ممالک کے رسائل و اخبارات سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ زبان عربی ضرور ہے، لیکن یہ قرآن کی زبان سے اتنی مختلف ہے کہ اس کا ذوق نہ صرف یہ کہ قرآن کی زبان کا کوئی ذوق نہیں پیدا کرتا بلکہ قرآن سے یہ بیگانہ کرتا ہے۔

قرآن مجید جس زبان میں اترا ہے وہ نہ تو حریری و متنبی کی زبان ہے، نہ مصر و شام کے اخبارات و رسائل کی، بلکہ وہ اس ٹکسالی زبان میں ہے جو امراء القیس، عمرو بن کلثوم، زہیر اور لبید جیسے شعراء اور قس بن ساعدہ جیسے بلند پایہ خطیبوں کے ہاں ملتی ہے۔ اس وجہ سے جو شخص قرآن کی زبان کے ایجاز و اعجاز کا کچھ اندازہ کرنا چاہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دورِ جاہلیت کے شعراء و ادبا کے کلام کے محاسن و معایب کے سمجھنے کا ذوق پیدا کرے۔ اس کے بغیر کوئی شخص نہ تو یہ اندازہ کر سکتا کہ قرآن عربی زبان کے محاسن کا کیسا کامل نمونہ ہے اور نہ یہ سمجھ سکتا کہ اس کے اندر وہ کیا سحر ہے

جس نے تمام فصیحوں و بلیغوں کو ہمیشہ کے لیے عاجز و درماندہ کر دیا۔

اگرچہ اس بات میں شبہ نہیں کہ زمانۂ جاہلیت کے شاعروں اور خطیبوں کے کلام کا بڑا حصہ دست برد زمانہ کی نذر ہو گیا لیکن پھر بھی اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ اصل مقصد کے لئے کفایت کرتا ہے۔ پچھلے پچاس سالوں میں بہت سے ایسے دواوین شائع ہو چکے ہیں جو پہلے ناپید تھے۔ شعراء کے کلام کے ایسے مجموعے بھی اب دستیاب ہیں جن میں کلام عرب کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اگرچہ ان کے اندر منحول کلام بھی شامل ہے لیکن عربیت کا ذوق رکھنے والے آسانی سے ان کے خالص اور منحول میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ خطبائے جاہلیت کے جواہر ریزوں کے لیے پہلے جاحظ، مبرّد اور ابن حدید وغیرہ کی کتابوں کی خوشہ چینی کرنی پڑتی تھی اب یہ خطبات الگ کر کے شائع کر دیئے گئے ہیں۔ غرض طالب اور قدرداں کے لئے تربیتِ ذوق کا بڑا سامان موجود ہے۔ ضرورت ہمت اور شوق کی ہے۔

اس تمام درازنفسی کو اس مفہوم میں نہ لیجئے کہ میں اس امر کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ میرے اندر یہ ذوق موجود ہے۔ میرا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ قرآن کی زبان کی نوعیت کیا ہے اور اس کے ادبی محاسن کو جانچنے اور تولنے کے لئے کسوٹی اور معیار کیا ہے۔ میں اس سلسلے میں جو کچھ کر سکا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں نے اس تفسیر کے لیئے قلم اٹھانے سے پہلے ادب جاہلی کے اس تمام ذخیرے کو اچھی طرح پڑھ لیا ہے جو مجھے دستیاب ہو سکا ہے اور جو قرآن کی کسی ادبی، نحوی اور معنوی مشکل کے حل کرنے میں کسی پہلو سے مددگار ہو سکتا ہے۔ میں بے تکلف یہ بات بھی اس موقع پر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ جو کچھ بھی میں نے کیا ہے اس میں زیادہ دخل مجھے نہیں بلکہ میرے استاذ رحمۃ اللہ علیہ کو ہے۔ انہوں نے اس طرح کی ساری چیزیں پڑھ کر قرآن کی تفسیر میں کام آنے والی ہر چیز کو نشان زد کر دیا تھا۔ میرا کارنامہ صرف اس قدر ہے کہ میں نے ان چیزوں کو اچھی طرح ہضم کر لیا ہے اور قرآن کی ادبی و نحوی مشکلات کے حل کرنے، اس کے اسالیب و محاورات کو جانچنے اور اس کی لطافتوں اور نزاکتوں کو پرکھنے میں اُن سے فائدہ اٹھایا ہے۔

صرف زبان و اسلوب ہی کے معاملے میں نہیں بلکہ اہل عرب کے معروف و منکر، ان کی معاشرتی زندگی کی خصوصیات، ان کی سوسائٹی میں خیر و شر کے معیارات، ان کے سماجی، تمدنی اور سیاسی نظریات، روزمرہ کی زندگی میں ان کی دلچسپیاں اور مشاغل، ان کے مذہبی رسوم و معتقدات، غرض اس طرح کی ساری چیزوں کے سمجھنے میں جو مدد ان کے لٹریچر سے ملتی ہے، وہ کسی دوسری چیز سے نہیں ملتی۔ ان چیزوں سے صحیح واقفیت اس شخص کے لئے نہایت ضروری ہے جو قرآن کے اشارات و

وتلمیحات اور اس کی تعریضات وکنایات کو اچھی طرح سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا چاہتا ہو۔ قرآن نے اس طرح کی ساری ہی چیزوں سے تعرض کر کے ان کے اندر جو خیر تھا اس کو اجاگر کیا ہے، جو شر تھا اس کو مٹایا ہے اس وجہ سے اثنائے کلام میں ایسے اشارے اور کنائے بار بار آتے ہیں جن کی پوری وضاحت اس وقت تک مشکل ہے جب تک اسلام کی اصلاحات کے ساتھ ساتھ آدمی جاہلیت کی بدعات سے بھی واقف نہ ہو۔ مسئلے کو واضح کرنے کے لئے بعض مثالیں پیش کرنا مناسب ہوتا لیکن تفسیر میں جگہ جگہ اس کی مثالیں آئیں گی۔ اس وجہ سے یہاں صرف اشارے پر اکتفا کرتا ہوں۔

یہ امر ملحوظ رہے کہ عرب جاہلیت کے متعلق ہماری تاریخ کی کتابوں میں جو مواد ملتا ہے وہ زیادہ تر سطحی اور سرسری معلومات پر مبنی ہے۔ اس سے ان چیزوں کے باب میں کچھ زیادہ رہنمائی نہیں ملتی جن کیطرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ عام طور پر ہمارے مؤرخوں نے اہل عرب کی جو تصویر کھینچی ہے وہ کسی انسانی معاشرے کی نہیں بلکہ ڈھوروں ڈنگروں کے کسی گلے کی ہے۔ اس کو دیکھ کر یہ گمان بھی نہیں گزرتا کہ یہ اس قوم کی تصویر ہے جو کبھی ملت ابراہیمؑ اور دین اسمٰعیلؑ کی وارث رہی ہے۔ ایسا انہوں نے اس خواہش کے تحت کیا ہے کہ اس کے بغیر ان کے نزدیک اسلام کا اعجاز نمایاں نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کے خیال میں اسلام کا اعجاز یہ ہے کہ اس نے ڈھوروں ڈنگروں کا ایک گلہ لیا اور تمام عالم پر اس کا پلہ بھاری کر دیا۔ اس بات کا ایک پہلو اگرچہ صحیح ہے لیکن اس میں ایک دوسرا پہلو نظر انداز ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ اگر عرب فی الواقع ایسے ہی ڈھور ڈنگر ہوتے تو وہ قرآن جیسی کتاب کے حامل کیسے بن سکتے۔ میرے سامنے چونکہ ابتدا ہی سے یہ سوال رہا ہے اس وجہ سے مجھے تاریخ کی کتابوں سے قطع نظر کر کے عرب جاہلیت کے لٹریچر میں ان کی تصویر کا حسن و قبح دونوں دیکھنے کی کوشش کرنی پڑی اور اس کوشش سے میری معلومات میں جو اضافہ ہوا میں نے اس تفسیر میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ میں نے زبان کے مسئلے کو محدود مفہوم میں نہیں، بلکہ نہایت وسیع مفہوم میں لیا ہے۔ اصل شے جو قرآن کے سمجھنے میں کار آمد ہے وہ اس زبان و ادب کا اعلیٰ مذاق ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ جس میں یہ مذاق نہ ہو وہ محض لغت کی ورق گردانی سے قرآن کے محاسن کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ لوگ مجھ سے اکثر سوال کرتے رہتے ہیں کہ قرآن کی مشکلات حل کرنے میں کس لغت پر وہ اعتماد کریں۔ اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ اگر ان کو کوئی حسب منشا لغت مل گیا تو قرآن کی مشکلات کے لئے ان کو کلید ہاتھ آ جائے گی۔ حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ زبان کا مذاق رکھنے والے کے لئے تو لغت بے شک ایک کار آمد چیز ہے لیکن جس میں

یہ مذاق پیدا نہیں ہوا، اس کے لئے لغت ایک بے سود شے ہے۔ میں نے جس لغت سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے وہ لسان العرب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب لسان استعمالات اور شواہد و نظائر کے ذریعہ سے اکثر لفظ کے مختلف پہلو واضح کر دیتے ہیں۔ یہ چیز بہت مفید ہے۔ میرے نزدیک لسان کی اہمیت اسی پہلو سے ہے اور اسی مقصد کے لئے اس کی مراجعت کرنی چاہیئے۔ لیکن بعض اوقات قرآن کے کسی لفظ کے تحت اہل تاویل کے اقوال جو وہ نقل کر دیتے ہیں، اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن عام لوگ اسی کو بڑی تحقیق سمجھتے ہیں۔ امام راغب کی مفردات کو بعض لوگ بڑا درجہ دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے تو فی الواقع اس کا بڑا درجہ ہے کہ وہ خالص قرآن کا لغت ہے لیکن حل مشکلات کے سلسلے میں جب کبھی میں نے اس کی مراجعت کی مجھے اس سے مایوسی ہی ہوئی۔ (باقی)

بقیہ زکوٰۃ کی حقیقت ص۴ سے آگے

جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ... کرو اس مال میں سے جس کا خدا نے تمہیں وارث بنایا ہے۔"
(حدید - ۷)

زکوٰۃ کا دوسرا مفہوم یہ واضح کرتا ہے کہ جس طرح حکومتیں اپنی حدود میں اسی مال کی درآمد کو جائز سمجھتی ہیں جس پر ڈیوٹی ادا کر دی گئی ہو، اسی طرح بعض اموال پر تصرف کا حق آدمی کو اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب ان کا ایک حصہ خدا کی منشا کے مطابق مخصوص مدوں میں صرف کیا جائے۔ یہی حقیقت ہے جس کی بناء پر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مال، زکوٰۃ ادا کرنے پر پاک ہوتا ہے اور جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو وہ حاجت مندوں کے حقوق کا غاصب ہے اور اس کا مال ناپاک ہے۔ (باقی)

بقیہ تدبر قرآن ص۳ سے آگے

تاکہ ان کی کمزوری پر پردہ پڑا رہے۔ سورۂ نساء میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِبْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ الناس کخشیة الله او اشد خشیة وقالوا ربنا لم کتبت علینا القتال لولا اخرتنا الی اجل قریب (۷۷) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا جاتا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز کا اہتمام کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر جب ان پر جنگ فرض کر دی گئی تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے اس طرح ڈرتا ہے جس طرح خدا سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہتا ہے کہ اے رب تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کر دی، کچھ دن اور مہلت کیوں نہ دی؟

امین احسن اصلاحی

تدبّر قرآن
تفسیر سورۂ آل عمران

(۱۰)

۲۹- آگے کا مضمون (۱۲۱-۱۲۹)

اب آگے ان واقعات وحالات پر تبصرہ ہے جو غزوۂ احد کے موقع پر پیش آئے اور یہ سلسلۂ بیان سورہ کے آخر تک چلا جائیگا۔ ہم اس سورہ کے تمہیدی مباحث میں واضح کرچکے ہیں کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کی اپنی ہی ایک جماعت کی بے تدبیری سے جو شکست پیش آئی اس نے اسلام اور کفر کی اس کشمکش سے تعلق رکھنے والے ہر گروہ پر کسی نہ کسی پہلو سے اثر ڈالا۔ مسلمانوں میں جو لوگ کمزور تھے وہ اس حادثہ سے بددل ہوگئے اور ان کی اس بددلی سے منافقین نے فائدہ اٹھا کر ان کے دلوں میں اسلام، اسلام کے مستقبل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مختلف قسم کے وسوسے بھرنے شروع کر دیتے۔ یہود کو بھی اس حادثے سے بڑی شہ ملی، اور وہ از سرِ نو اسلام کے خلاف پروپیگنڈا اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں سرگرم ہوگئے۔ قریش کو بدر کی شکست سے جو ضرب پہنچی تھی اس کا زخم بھی گویا اس واقعہ سے مندمل ہوگیا اور وہ پھر یہ حوصلہ کرنے لگے کہ اسلام کو زک پہنچائی جاسکتی ہے۔

آگے کا مضمون آیات ۱۲۱ - ۱۲۹

یہ صورتِ حال مقتضی ہوئی کہ اُحد کے واقعات پر تبصرہ کرکے ان تمام غلط فہمیوں کو دور کیا جائے جو اس موقع پر مخالفین ذہنوں میں پیدا کر رہے تھے۔ ساتھ ہی یہی بہترین موقع تھا اس بات کے لئے کہ مسلمانوں کی کمزوریوں اور غلطیوں پر گرفت کی جائے اور آئندہ ان کو ان سے احتراز کرنے کی ہدایت کی جائے۔ تاکہ یہ امت کمزوریوں سے پاک ہوکر اس منصب کی ذمہ داریوں کی صحیح طور پر اہل ہوسکے جس پر کنتم خیر امّۃ والی آیت میں اس کو سرفراز کیا گیا ہے۔ چنانچہ جب اس سورہ میں بات یہاں تک پہنچی کہ تمہی غالب اور فتحمند ہوگئے اور تمہارے مخالفوں کی کوئی چال بھی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی بشرطیکہ تم صبر اور تقوی پر قائم رہو تو بہترین موقع گویا اُحد کے واقعات پر تبصرہ کرکے یہ دکھانے کا آگیا کہ صبر اور تقوی کے پہلو سے وہ کیا خامیاں ابھی جماعتی زندگی میں موجود تھیں جو اس افتاد کا باعث ہوئیں اور اس سے انفرادی اور اجتماعی اصلاح و تزکیہ کے کیا کیا سبق ملتے ہیں۔ اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آل عمران (۱۲۱-۱۲۹)

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ اِذْ
هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ
اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؕ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ
هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا
بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ
الْحَكِيْمِ ۙ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝ لَيْسَ
لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ
يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع

ترجمہ

اور یاد کرو جب کہ تم اپنے گھر سے نکلے مسلمانوں کو جنگ کے مورچوں میں مامور کرنے کے لئے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۔ (۱۲۱)

جبکہ تم میں سے دو جماعتوں نے حوصلہ چھوڑ دینے کا ارادہ کیا حالانکہ اللہ ان کا مددگار تھا اور اللہ ہی پر چاہیئے کہ اہل ایمان بھروسہ کریں۔ اور اللہ نے تو تمہاری مدد بدر میں بھی کی جبکہ تم نہایت کمزور تھے۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ اس کے شکر گذار رہ سکو۔ (۱۲۲- ۱۲۳)

یاد کرو کہ جب تم مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے کافی نہیں ہے، کہ تمہارا رب تین ہزار تازہ دم فرشتوں سے تمہاری مدد فرماتے؟ ہاں اگر تم ثابت قدم رہو گے اور بچتے رہو گے اور وہ تمہارے اوپر ابھی آدھمکے، تو تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائیگا۔ جو اپنے خاص نشان لگاتے ہوئے ہوں گے۔ (۱۲۴-۱۲۵)

اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا مگر تمہارے لئے بشارت اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد نہیں آتی ہے مگر خدائے غالب و حکیم ہی کے پاس سے، تاکہ اللہ کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دے یا انہیں ذلیل کر دے کہ وہ خوار ہو کر لوٹیں۔ (۱۲۶- ۱۲۷)

تمہارا اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں، خدا ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے۔ کیونکہ وہ ظالم ہیں اور اللہ ہی کے اختیار میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ جس کو چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے۔ (۱۲۸ - ۱۲۹)

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔(۱۲۱)

'بوّا یبوّئُ' کے معنی ٹھہرانا، ٹکانا، مقیم کرنا، مامور کرنا ــ مقاعد، مقعد کی جمع ہے جس کے معنی بیٹھنے کی جگہ کے ہیں لیکن وسیع استعمال میں اس کے معنی گھات لگانے کی جگہ کے بھی ہو سکتے ہیں اور قرینہ موجود ہو، جیسا کہ یہاں ہے تو اس سے جنگ کا مورچہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔

غزوہ احد کے واقعات پر تبصرہ

یہ آیت تمہید ہے اس تبصرے کی جو جنگ احد کے واقعات اور ان سے پیدا شدہ اثرات پر آگے آ رہا ہے۔ یہ جنگ چونکہ ابھی تازہ تازہ ہوئی تھی، اس وجہ سے ہر شخص کے سامنے تھی۔ نام لئے بغیر بھی اس کے واقعات کی طرف اشارہ کر دینا کافی تھا۔ لیکن یہ تبصرہ چونکہ بعض ایسے حالات واثرات پر بھی تھا جن کے بعض گوشے بعض پارٹیوں کی درپردہ سازشوں سے تعلق رکھنے والے تھے یا ان کا تعلق ذہنی وقلبی تصورات و تاثرات سے تھا اس وجہ سے اللہ تعالے نے اپنی صفات سمیع وعلیم ـ کا حوالہ دے کر تمہید ہی میں سب کو متنبہ کر دیا کہ اس تبصرے پر کسی کے لئے چون وچرا، ردوقدح اور بحث وتردید کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ یہ تبصرہ اس کی طرف سے ہے جو سب کچھ جانتا سنتا ہے۔ اس نے جو کچھ بھی کہا ہے سب کچھ بے خطا سمع وعلم پر مبنی ہے۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۱۲۲) وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ (۱۲۳)

'فشل' کے معنے ہمت ہار دینے اور حوصلہ چھوڑ دینے کے ہیں۔ جنگ میں اصل اہمیت حوصلہ و ہمت کو حاصل ہے، اسلحہ اور دوسری چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس وجہ سے سب سے پہلے بعض جماعتوں کی اس کمزوری پر گرفت فرمائی۔

'اذلۃ" ذلیل کی جمع ہے۔ ذلیل عزیز کا مقابل لفظ ہے۔ عزیز کے معنی ہیں غالب، زورآور اور دوسروں کی دسترس سے باہر۔ ذلیل کے معنی کمزور، ناتواں اور دوسروں کے لئے لقمہ تر کے ہیں۔ اخلاقی رذالت اس لفظ کے بنیادی اجزاء میں سے نہیں ہے بلکہ اس کے لوازم بعیدہ میں سے ہے۔ چنانچہ

یہ لفظ اچھے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً ۔ اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین۔ (۵۴ مائدہ) (وہ مسلمانوں کے لئے نہایت نرم اور کافروں کے لئے نہایت سخت ہیں) یعنے اگر کفار ان کے اندر انگلی دھنسانا اور ان کو اپنے اغراض کے لئے نرم کرنا چاہیں تو وہ پتھر کی چٹان ہیں لیکن مسلمانوں کے لئے نہایت نرم خو ہیں۔ وہ ان سے جس طرح چاہیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں)۔ آیت زیر بحث میں بھی یہ لفظ مسلمانوں کی طرف اس وقت کی عددی و مادی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں اخلاقی ضعف و ذلت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

منافقین کی ایک شرارت

آیت میں جن دو گروہوں کی طرف اشارہ ہے، مفسرین کے بیان کے مطابق، وہ قبیلہ خزرج کے بنو سلمہ اور قبیلہ اوس کے بنو حارثہ ہیں۔ ان دونوں گروہوں کے اندر منافقین کی شرارت کی وجہ سے کچھ بزدلی پیدا ہوئی لیکن پھر وہ سنبھل گئے۔ منافقین درحقیقت اس جنگ کے لئے نکلنا نہیں چاہتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس کمزوری کا اندازہ تھا۔ چنانچہ آپ نے یہ چاہا کہ نکلنے سے پہلے صحیح صورت حال سامنے آجائے۔ اس کے لئے امتحاناً آپ نے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال رکھا کہ قریش کا مقابلہ مدینہ کے اندر سے کیا جائے یا باہر نکل کر۔ اس کا جواب سچے اور پکے مسلمانوں کی طرف سے تو ظاہر ہے کہ یہی ہو سکتا تھا کہ باہر نکل کر، چنانچہ انہوں نے پورے جوش و جذبے کے ساتھ یہی جواب دیا۔ لیکن منافقین نے مدینہ میں محصور ہو کر مقابلے کی مصلحتیں سمجھانے کی کوشش کی۔ آنحضرت ؐ نے جب صورت حال کا اندازہ کر لیا، منافقین کی کمزوری آپ پر واضح ہوگئی تو آپ نے وہی کیا جو آپ کے دل میں تھا اور جس کا اظہار آپ کے جان نثار ساتھیوں نے کیا تھا۔ منافقین نے جب دیکھا کہ ان کی یہ سازش ناکام ہوگئی تو وہ نکلنے کو تو مسلمانوں کے ساتھ نکلے، لیکن نکلنے کے بعد ان کے لیڈر ابن ابی نے ان کو ورغلایا اور اس چیز کو بہانہ بنا کر کہ اس کے مشورے کی قدر نہیں کی گئی، راستے میں تین سو آدمیوں کے لشکر کے ساتھ الگ ہو گیا۔ اس واقعہ سے قدرتی طور پر مسلمانوں کی بعض جماعتوں کے حوصلے پر اثر پڑا۔ اس لئے کہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار کفار کے مقابلہ میں کل ایک ہزار تھی۔ ایک ہزار آدمیوں میں سے تین سو آدمیوں کا عین موقعہ پر فرار ظاہر ہے کہ ایک اہم حادثہ تھا جس سے کمزور طبائع کا اثر لینا قدرتی امر تھا۔

خدا اہل ایمان کا کارساز ہے

قرآن نے اس کمزوری پر گرفت کی اور فرمایا کہ جو مسلمان اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلتے ہیں اللہ ان کا مددگار اور کارساز ہوتا ہے اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان خدا کی مدد اور اسی کی کارسازی پر پورا پورا بھروسہ رکھیں۔ جب خدا ساتھ ہے تو منافقوں اور بزدلوں کی کوئی جماعت ساتھ چھوڑ بھی دے تو اس سے کیا بنتا بگڑتا ہے۔

واقعہ بدر کی یاد دہانی

ایمان اور توکل کا تقاضا واضح کرنے کے بعد بدر کے واقعہ کی بھی یاد دہانی فرما دی کہ جب

تمہاری عددی قلت اور مادی بے سروسامانی کے باوجود ابھی کل خدا نے تمہاری مدد فرمائی اور تمہیں شاندار فتح دی تو اس خدا سے کیوں مایوس ہوتے ہو، وہ آج بھی تمہارا حامی و ناصر اور ولی و کارساز ہے

تقویٰ کا لفظ وسیع معنوں میں

فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ، میں تقویٰ کا لفظ جیسا کہ ہم آیت ۱۲۰ کے تحت اشارہ کر چکے ہیں، اپنے وسیع معنوں میں ہے۔ یعنی ایمان اور توکل اور خدا کو ولی اور کارساز ماننے کے تقاضے کے خلاف بزدلی اور بے ہمتی کی راہ اختیار کرنے سے بچو۔ خدا کی شکرگزاری کا صحیح حق ادا کرنے کے لئے یہ تقویٰ ضروری ہے۔ جو لوگ عزم و ہمت سے خالی ہوں گے وہ شیطان سے ہر قدم پر مار کھائیں گے اور حق کے بجائے باطل کی راہ اختیار کر لیں گے۔ ایسے لوگ خدا کی شکرگزاری کا حق ادا نہ کر سکیں گے۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۞ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۞ (۱۲۵)

مسومین

'مسومین'۔ 'سومۃ' 'سیمۃ' سے ہے جس کے معنی علامت اور نشان کے ہیں۔ 'الخیل المسومۃ' ان گھوڑوں کو کہتے ہیں جن پر نشان لگے ہوتے ہوں۔ فرشتوں کے لئے مسوّمین کی صفت سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خاص اہتمام کے ساتھ اس مہم کے لئے بھیجے گا اور وہ خاص اس جنگ کے لئے اپنے امتیازی نشان اور بیج لگائے ہوتے ہوں گے۔

جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ

یہ اُس بات کا حوالہ ہے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا حوصلہ بحال کرنے کے لئے اس وقت فرمائی جب عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس ہو گیا اور مسلمانوں کی بعض جماعتوں میں، جیسا کہ اوپر والی آیت میں ذکر ہے، اس سے بد دلی پھیلی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تین سو آدمی الگ ہو گئے تو کیا ہوا؟ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تین سو کمزور اور پست ہمت آدمیوں کی جگہ تین ہزار تازہ دم اتارے ہوئے فرشتوں کے ذریعے سے تمہاری مدد فرمائے۔ 'اُتارے ہوئے' سے مقصود اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اسی کارِ خاص کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازہ دم کمک کے طور پر آسمان سے اتارے جائیں گے۔

شکست کا اصلی سبب

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بات کی تائید ہے۔ آپ نے جو امید مسلمانوں کو دلائی تھی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت کے بھروسے پر دلائی تھی۔

کہ یہ تین سو آدمیوں کی کمی تین ہزار فرشتوں سے پوری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس بات کی تائید فرمادی اور اپنے فضل سے اس پر دو ہزار فرشتوں کا اور اضافہ فرما دیا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا، اگر تم ثابت قدم رہے اور خدا اور رسول کے احکام کی نافرمانی سے بچتے رہے۔ جنگِ احد کے واقعات شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو پورا فرمایا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے ابتدائی حملے میں کفار کو اچھی طرح تہ تیغ کیا اور ان کو شکست دے دی۔ لیکن شکست دے چکنے کے بعد ان کی ایک جماعت نے کمزوری دکھائی اور رسولؐ کی صریح ہدایت کے خلاف مالِ غنیمت کی طمع میں ایک نہایت اہم مورچہ خالی چھوڑ دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حاصل کی ہوئی فتح صبر و تقویٰ کی کمزوری کے سبب سے شکست میں تبدیل ہوگئی۔ آگے اسی سورہ میں اس بات کا ذکر اس طرح ہوا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ
اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى
اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى
الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ
اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ
يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ
يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ
عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ (۱۵۲)

اور اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دیا تھا جب
کہ تم خدا کے حکم سے ان کافروں کو تہ تیغ کر رہے
تھے۔ یہاں تک کہ تم نے کمزوری دکھائی اور تعمیلِ
حکم میں اختلاف کیا۔ اور اس وقت نافرمانی کی
جبکہ خدا نے تمہیں تمہاری محبوب چیز — فتح
— دکھادی۔ تم میں کچھ دنیا کے طالب ہوئے اور
کچھ آخرت کے، تو خدا نے تمہارا رُخ ان سے
پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائش میں ڈالے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۱۲۶) لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۔ (۱۲۷)

'جعلہ' میں ضمیر کا مرجع وہ وعدۂ نصرت ہے جو اوپر والی آیت میں مذکور ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ سے جو تمہاری امداد کا خاص طور پر وعدہ فرمایا تو یہ اس لئے کہ یہ تمہارے لئے بشارت کا باعث ہو اور تمہیں مخالفین و منافقین کے رویے سے جو بددلی ہوتی ہے وہ دور ہو جائے۔ اگر یہ بشارت نہ بھی اترتی جب بھی اہل ایمان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ فتح و نصرت ہمیشہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اور وہ عزیز و غالب ہے جس کو چاہے فتح و غلبہ عطا فرمائے اور حکیم بھی ہے اس وجہ سے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس آیت پر مزید بحث ہم سورہ انفال میں کرینگے۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا الآیہ۔ یہ مقصد بیان ہوا ہے اس موقع پر خاص اہتمام کے ساتھ حوصلہ افزائی کا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ اس جنگ میں یا تو قریش کی قوت بالکل پامال ہو جاتے اور وہ ذلیل و خوار ہو کر واپس ہوں یا کم از کم ان کی طاقت کا ایک حصہ ٹوٹ جاتے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ (۱۲۸) وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (۱۲۹)

یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف التفات کی نوعیت کی ہے۔ اس جنگ کے سلسلے میں منافقین نے جو روش اختیار کی اور اپنی روش سے جو اثر دوسرے مسلمانوں پر انہوں نے ڈالا اس کی طرف اشارہ اوپر گزرا۔ قدرتی طور پر اس بات سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچا ہوگا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اس معاملے میں نہ تم کو کوئی دخل ہے اور نہ اس کی تم پر کوئی ذمہ داری ہے۔ تم نے اپنا فرض کماحقہٗ انجام دیدیا اب اگر کوئی گروہ خود اپنی جان پر ظلم ڈھاتا ہے تو اس کا غم تم کیوں کرو۔ اسکا معاملہ اللہ کے حوالہ کرو۔ وہ چاہے گا تو ان کو توبہ کی توفیق دیگا، یہ توبہ کرینگے اور وہ ان کو معاف کریگا۔ اور اگر وہ اسکے اہل نہ ہونگے تو ان کو سزا دیگا۔ آسمان و زمین کا سارا اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسکو چاہیگا بخش دیگا اور جس کو چاہے گا عذاب دیگا۔ آخر میں اپنی صفات غفور رحیم کا حوالہ دے کر یہ ظاہر فرمادیا کہ خدا غفور رحیم ہے۔ اس وجہ سے اگر وہ کسی کو سزا دیگا تو اسی وقت دے گا جب وہ اس کو سزا کا مستحق پائے گا۔

آگے کا مضمون آیات ۱۳۰ - ۱۴۳

۳۰۔ آگے کا مضمون (۱۳۰ - ۱۴۳)

آگے کی آیات میں پہلے اسی جہاد کے تعلق سے جس کا ذکر ہوا انفاق پر ابھارا ہے، پھر اُحد کی شکست سے جو بددلی پیدا ہوئی تھی اس کو دور کرنے کے لئے اس کی بعض حکمتیں اور مصلحتیں واضح فرمائی ہیں تاکہ جن مسلمانوں کے اندر کچھ افسردگی پیدا ہو گئی ہے ان کے اندر از سر نو انفاق و جہاد کی حرارت پیدا ہو جائے۔ خطاب اگرچہ عام ہے لیکن سیاق و سباق دلیل ہے کہ روئے سخن خاص طور پر انہی مسلمانوں کی طرف ہے جن سے اس جنگ کے دوران میں کوئی کمزوری صادر ہوئی تھی، یا جنگ کے نتیجہ نے ان کے ذہن پر کوئی بُرا اثر ڈالا تھا۔ گویا اس جنگ نے بہت سی طبیعتوں کے اس میل کچیل کو اوپر ابھار دیا تھا جو اب تک اندر دبا ہوا تھا اور اب وقت آگیا تھا کہ اسکو دھو کر صاف کیا جائے۔ چنانچہ اب آگے کا سلسلۂ بیان زیادہ تر اسی نوعیت کا ہے۔ یہ گویا تزکیہ و تطہیر کے باب کا ایک حصہ ہے۔

انفاق کے مضمون کا آغاز سود کی ممانعت کے ذکر سے کیا ہے اس لئے کہ سود خوری اور انفاق میں نسبت ضدین کی ہے۔ قرآن میں یہ اسلوب بہت استعمال ہوا ہے کہ جب ایک چیز بیان ہوتی ہے تو بالعموم اسکے ضد کا بھی اس کے ساتھ ذکر ہوتا ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں بھی انفاق کے ذکر کے ساتھ سود کی حرمت کا ذکر

ہوا ہے بس فرق یہ ہے کہ بقرہ میں سود کی حرمت کا ذکر انفاق کے بعد ہے اور اس سورہ میں انفاق سے پہلے۔ ان دونوں اسلوبوں کے الگ الگ فوائد ہیں لیکن اس مسئلہ پر بحث کے لئے یہ مقام موزوں نہیں۔ یہاں نظمِ کلام کی وضاحت کے لئے بس اتنی بات یاد رکھئے کہ انفاق کے حکم سے پہلے سود سے روکنے کی بات بالکل ایسی ہی ہے جس طرح سچ بولنے کی ہدایت سے پہلے جھوٹ سے باز رہنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ سود اور انفاق کے نظم پر سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس موقع پر ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجئے۔ اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۳۰-۱۴۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۱۳۰)
وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (۱۳۱) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۱۳۲)
وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (۱۳۳)
الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَ
اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۳۴) وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڟ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ
يَعْلَمُوْنَ (۱۳۵) اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (۱۳۶) قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (۱۳۷) ھٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (۱۳۸) وَلَا تَهِنُوْا وَ
لَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱۳۹) اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ
مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُھَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (۱۴۰) وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ (۱۴۱) اَمْ حَسِبْتُمْ
اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (۱۴۲) وَلَقَدْ
كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (۱۴۳)

ترجمہ

اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ دگنا چوگنا بڑھتا ہوا۔ اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار ہے۔ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۱۳۰-۱۳۲)

اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کیلئے مسابقت کرو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے عرض کی طرح ہے یہ پرہیزگاروں کیلئے تیار ہے ان لوگوں کیلئے جو کشادگی اور تنگی ہر حال میں خرچ کرتے رہتے ہیں، غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں اور اللہ خوب کاروں کو دوست رکھتا ہے۔ یہ لوگ جب کسی کھلی برائی کا ارتکاب یا اپنی جان پر کوئی ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو بخشے اور یہ جانتے بوجھتے اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے

یہ لوگ ہیں کہ ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور کیا ہی خوب صلہ ہے کارگزاروں کے لئے! تم سے پہلے بہت سی مثالیں گزر چکی ہیں تو زمین میں چلو پھرو اور دیکھو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔ یہ تنبیہ ہے لوگوں کے لئے اور ہدایت و نصیحت ہے ڈرنے والوں کے لئے۔ ۱۳۳-۱۳۸

اور پست ہمت نہ ہو اور غم نہ کرو، اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ اگر تمہیں کوئی چوٹ پہنچے تو اس سے پست ہمت نہ ہو آخر دشمن کو بھی تو اسی طرح کی چوٹ پہنچی ہے۔ یہ ایام اسی طرح ہم لوگوں کے اندر الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ اللہ تمہارا امتحان کرے اور ممیز کر دے ایمان والوں کو، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید بنائے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور تاکہ اللہ مومنوں کو چھانٹ کر الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔ کیا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو ممیز نہیں کیا جنہوں نے جہاد کیا اور تاکہ ممیز کرے ثابت قدم رہنے والوں کو۔ اور تم موت کی تمنا کر رہے تھے اس سے ملنے سے پہلے سو اب تم نے اس کو دیکھ لیا۔ آنکھیں چار کر کے! (۱۳۹-۱۴۳)

۳۱۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۱۳۰) وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ (۱۳۱) وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۱۳۲)

اضعافا مضاعفۃ کی قید کا مقصد

لفظ ربوا کی تحقیق کا اور اس سے متعلق دوسرے بعض اہم سوالات پر سورہ بقرہ میں بحث گزر چکی ہے۔ یہاں اس کے ساتھ اضعافا مضاعفہ کی جو قید لگی ہے اس سے مقصود یہ نہیں ہے کہ اسلام میں ممنوع صرف سود در سود ہے، بلکہ یہ قید جیسا کہ ہم سورہ بقرہ میں 'لا یسألون الناس الحافا' کے تحت متعدد مثالوں سے واضح کر چکے ہیں، محض صورت حال کی تصویر اور اس کے گھناؤنے پن کے اظہار کے لئے ہے۔ جس طرح لا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا (اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ قید نکاح میں آنا چاہتی ہیں) میں ان اردن تحصنا کی شرط سے مقصود یہ نہیں ہے

کہ اگر وہ قید نکاح میں نہ آنا چاہیں تو ان کو پیشہ کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے ۔ بلکہ مقصود اس سے صورت حال کی تصویر اور اس کے نفرت انگیز ہونے کا اظہار ہے ۔ اسی طرح آیت زیر بحث میں اضعافا مضاعفۃ کی قید ہے ۔

سود خوری کے میدان میں مسابقت کے بجائے انفاق میں مسابقت کی دعوت

یہاں اس قید کے نمایاں کرنے میں بلاغت کا ایک نکتہ بھی ہے ۔ اوپر ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ یہاں اصل مضمون جو بیان ہو رہا ہے وہ جہاد کے سلسلہ سے انفاق کا ہے ۔ اس تمہید کے طور پر یہ سود خوری کی ممانعت کا ذکر ہوا ہے اس لئے کہ یہ انفاق کا ضد ہے ۔ انفاق کا ذکر یہاں جس نوعیت سے ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس راہ میں مسابقت یعنی ایک دوسرے کے مقابل میں بڑھنے، بازی لے جانے اور میدان مارنے کی دعوت دی گئی ہے ۔ گویا اہلِ ایمان کے لیے مقابلہ و مسابقت کا میدان اگر ہے تو یہی ہے ۔ چنانچہ اس مضمون کی تمہید سارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ الآیۃ (اور مسابقت کرو اپنے رب کی رحمت اور ایسی جنت . . .) ہے ۔ یہ مضمون اس بات کا مقتضی ہوا کہ اس میدانِ مسابقت کی دعوت دینے سے پہلے لوگوں کو اُس میدان سے موڑا جائے جس میں یہودی ساہوکار اور مہاجن اب تک ایک دوسرے پر سبقت کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے اور ان کی دیکھا دیکھی عربوں کو بھی اس کا چسکا لگ رہا تھا ۔ عربی زبان کا جن لوگوں کو کچھ ذوق ہے وہ اندازہ کر سکیں گے کہ سود خوری کے میدان میں اس مسابقت کا اظہار 'اضعافاً مضاعفۃ' کے الفاظ سے ہو رہا ہے ۔ اگر یہ الفاظ نہ ہوتے تو یہ حقیقت پوری طرح سامنے نہ آتی ۔ قرآن نے یہ چاہا ہے کہ لوگ اس ناپاک میدان میں 'اضعافا مضاعفۃ' کی غلاظت کا انبار جمع کرنے کے بجائے اس جنت کیلئے بازیاں لگائیں جس کی پہنائی آسمان و زمین کے برابر ہے ۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ کا ٹکڑا اس سیاق میں اس بات کی نہایت واضح دلیل ہے کہ اس تنبیہ کے بعد بھی جو لوگ سود خوری پر مصر رہیں گے وہ کافر ہیں اور ان کے لیے دوزخ کی آگ تیار ہے ۔ اس نکتہ پر ہم سورہ بقرہ میں بحث کر چکے ہیں ۔ درحقیقت ایسے لوگ اپنی آگ کے لیے اضعافا مضاعفہ ایندھن خود فراہم کر چھوڑتے ہیں ۔ اس وجہ سے یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی آگ بالکل تیار ہے ۔

وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ اُعِدَّتۡ
لِلۡمُتَّقِیۡنَ (۱۳۳) الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ
الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (۱۳۴)

جنت کی وسعت کی تمثیل:

یعنی سود کے ذریعہ سے اگر بہت تیر مارو گے تو ایک کا دس یا بیس یا سو یا ہزار بنا لو گے اور اس کا نفع بہرحال اسی زندگی تک محدود رہے گا۔ آخرت میں یہ سارا اندوختہ تمہارے جلانے کے لئے ایندھن بنے گا۔ برعکس اس کے اگر اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرو گے تو اس کے بدلے میں خدا کی مغفرت کے حق دار اور اس کے نتیجے میں ایسی وسیع جنت کے وارث ٹھہرو گے جس کی وسعت کے آگے تمام آسمانوں اور پوری زمین کی وسعت گرد ہو کے رہ جائے گی۔ پھر ایک بندگی کی ایک محدود و تنگ نائے کیلئے دوڑ دھوپ کرنے کے بجائے ابدی زندگی کی یہ ناپیدا کنار بادشاہی حاصل کرنے کے لئے مقابلہ کیوں نہ کرو۔ یہی مضمون سورۂ حدید میں اس طرح آیا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ	جان رکھو کہ یہ دنیا کی زندگی — لہو و
لَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ	لعب، زینت، باہمی تفاخر، مال و
فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ	اولاد کی کثرت میں ایک دوسرے کا
الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا	مقابلہ۔ اس کی تمثیل اس بارش کی ہے
ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ	جس کی اگائی ہوئی نباتات کسانوں کے
شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ	دل موہ لیں۔ پھر وہ خشک ہو کر رہ جائیں
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (۲۰)	اور آخرت میں سخت عذاب بھی ہے اور
سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا	اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی
كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ	بھی ہے اور یہ دنیا کی زندگی محض دھوکے
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ	کی ٹٹی ہے۔ مسابقت کرو اپنے رب کی
اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ	مغفرت اور ایک ایسی جنت کی طرف جس
الْعَظِيْمِ (۲۱)	کا عرض آسمان و زمین کی طرح ہے یہ ان
	لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر
	اور اسکے رسولوں پر پختہ ایمان رکھتے
	ہیں تو وہ دے گا جس کو چاہے گا اور اللہ
	بڑے فضل والا ہے۔"

جنت کی وسعت کی یہ تمثیل بھی بہرحال ایک تمثیل ہی ہے۔ جس سے انسان اس کی وسعت کا بس ایک دھندلا سا تصور کر سکتا ہے۔ اصل حقیقت اس کی وسعت کی کیا ہے یہ صرف اللہ ہی کو

معلوم ہے۔ لیکن اس وسعت کے باوجود انسان اگر چاہے تو خدا کی راہ میں انفاق کر کے اس کو خرید سکتا ہے۔

الذین ینفقون (الآیہ) میں اس انفاق کی بعض وہ خصوصیات بیان کر دی گئی ہیں جن کے اہتمام کے بغیر نہ تو انفاق کا حق ادا ہوتا ہے اور نہ اس انفاق کو احسان کا درجہ حاصل ہوتا ــــ ان خصوصیات پر ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ بحث کر چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں غصہ کو دبانے اور لوگوں سے درگزر کرنے کی جو تاکید ہے اس کا خاص پہلو ہے۔ اس کی توجیہ آیات ۲۶۲ ــــ ۲۶۵ کے تحت ملاحظہ فرمایئے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا
لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ (۱۳۵) اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (۱۳۶)

یہ انفاق کی راہ کی ایک نہایت اہم مزاحمت کا بیان ہے۔ جس طرح سود خوری کی علت روپے کی ایسی تونس پیدا کر دیتی ہے کہ آدمی کے لئے کسی اچھے کام میں خرچ کرنا پہاڑ ہو جاتا ہے، اسی طرح بدکاری اور عیاشی کی چاٹ بھی کسی نیکی کے کام میں خرچ کرنے کی راہ بند کر دیتی ہے۔ جو لوگ اس راہ پر چل پڑتے ہیں وہ اپنی خواہشوں کے ہاتھوں اس طرح بے بس ہو جاتے ہیں کہ ان کو کسی اور طرف نگاہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ اسی وجہ سے قرآن نے انفاق کی تعلیم کے سلسلے میں جہاں سود خوری سے روکا ہے وہیں بدکاری و بےحیائی اور اس کے لازمی نتیجہ اسراف و تبذیر سے بھی روکا ہے۔ بقرہ کی آیت ۲۶۸ کے تحت ہم اس پر بحث کر آئے ہیں۔ مزید بحث اس پر بنی اسرائیل کی آیات ۲۶-۲۷ کے تحت آئے گی۔

فرمایا کہ اس انفاق کی راہ میں وہی لوگ بڑھ سکیں گے جو بدکاری و عیاشی کی لت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں گے۔ جو لوگ جانتے بوجھتے اپنے گناہوں پر اصرار کئے چلے جائیں گے وہ اپنے اوپر اس سعادت کے دروازے بند کر لیں گے۔ سعادت کی راہ یہ ہے کہ آدمی اگر غلبۂ جذبات سے کسی بڑے یا چھوٹے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو خدا کی یاد اس کو چوکنا کر دے اور وہ فوراً اس سے معافی مانگے۔ خدا کے سوا کوئی نہیں ہے جو معافی دے سکے۔ جو لوگ دوسروں کی سفارش کی امید پر گناہوں کو اوڑھنا بچھونا بنائے ہوتے ہیں، وہ صرف اپنی شامت اعمال سے دوچار ہوں گے

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

الْمُكَذِّبِيْنَ (۱۳۷) هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (۱۳۸)

سنن کا مفہوم

'سنن' سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ ضابطے اور قاعدے ہیں جن کے تحت وہ قوموں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ ایک قوم اگر اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات کی تعمیل اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی پیروی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو برومند اور کامیاب کرتا ہے۔ برعکس اس کے اگر کوئی قوم خدا کے احکام و قوانین کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کر دیتا ہے۔ اس سنت کے مظاہر خدا کی زمین میں بے شمار ہیں۔ سرزمین عرب میں بھی، جس کے بسنے والے اس آیت میں مخاطب ہیں، اللہ تعالیٰ کی اس سنت کے مظاہر عاد، ثمود، اہل مدین، قوم لوط وغیرہ کے آثار کی شکل میں موجود تھے۔ عدل الٰہی کے انہی مظاہر کو یہاں "سنن" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ قرآن میں یہ لفظ اس مفہوم میں بار بار استعمال ہوا ہے۔ سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل (۶۲۔ احزاب) "یہ اللہ کی سنت رہی ہے گزشتہ قوموں میں"، فھل ینظرون الا سنۃ الاولین ۴۳۔ فاطر (یہ لوگ نہیں منتظر ہیں مگر اس بات کے کہ ان کے لیے بھی اللہ کی وہی سنت ظاہر ہو جائے جو اگلوں کے لئے ظاہر ہوئی۔)

[illegible]

سود خوری کی ممانعت اور اللہ کی راہ میں انفاق کی دعوت کے بعد یہ دو آیتیں تنبیہ و تہدید کی نوعیت کی ہیں۔ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں کہ خطاب اگرچہ عام ہے لیکن پیش نظر خاص طور پر وہ لوگ ہیں جو یا تو ابھی پوری طرح یکسو نہیں ہوئے تھے یا نفاق میں مبتلا تھے۔ فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں ان کے انجام کا اندازہ کرنے کے لئے بہت دور جانے کی ضرورت نہیں ہے تمہارے اپنے ہی ملک میں کافی سامان عبرت موجود ہے۔ یہ واضح تنبیہ ہم نے نازل کر دی ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے ہدایت و نصیحت کا پورا سامان موجود ہے جن کے اندر خدا کا خوف ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱۳۹) اِنْ يَّمْسَسْكُمْ
قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (۱۴۰) وَلِيُمَحِّصَ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ (۱۴۱)

[illegible]

'وہن' کے معنی ضعف کے ہیں عام اس سے کہ یہ ضعف عمل کا ہو یا ارادے کا، جسم کا ہو یا کردار و اخلاق کا۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ رضہ سے فرمایا کہ ایک زمانہ آئیگا کہ تم سیلاب کے خس و خاشاک کے مانند ہو جاؤ گے۔ صحابہؓ نے پوچھا: یارسول اللہؐ! اس کا کیا سبب ہو گا؟ آپ نے فرمایا تمہارے اندر 'وہن' پیدا ہو جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا۔ یارسول اللہ! 'وہن' کیا چیز ہے؟

آپ نے فرمایا۔ حب الدنیا وکراھۃ الموت ' دنیا کی محبت اور موت کا ڈر '۔ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ عزم و حوصلہ اور عمل و ارادہ کی وہ پستی جو دنیا اور دنیا کی زندگی کی محبت اور موت کے خوف سے پیدا ہوتی ہے اور انسان کو راہ حق میں جہاد سے روکتی ہے۔ وہ 'وہن' ہے۔ یہ حدیث اس لفظ کی بہترین تشریح ہے۔ یہاں بھی 'لا تھنوا' سے یہی مراد ہے کہ احد میں جو افتاد تمہیں پیش آئی ہے اُس سے مرعوب اور خوف زدہ ہو کر ہمت نہ ہار بیٹھو۔ گویا پوری بات یوں ہے۔ لا تھنوا مما اصابکم ولا تحزنوا علٰے مافاتکم نہ اس شکست کے سبب سے جو تمہیں پیش آئی ہے حوصلہ ہارو اور نہ اس نقصان کا جو تمہیں پہنچا غم کرو۔

القوم

'القوم' کا لفظ اس سیاق و سباق میں جب آتا ہے تو اس سے مراد حریف مقابل اور دشمن ہوتا ہے۔ یہاں اشارہ کفار قریش کی طرف ہے۔

الایام

'الایام' جب اس طرح جمع کی شکل میں آتا ہے تو اس سے مراد تاریخ کے وہ دن ہوتے ہیں جن میں بڑے بڑے واقعات و حوادث پیش آئے ہوں۔ ایام العرب سے مراد اہل عرب کی جنگیں ہیں۔ قرآن میں ہے وذکرھم بایام اللّٰہ یعنی دنیا میں قوموں پر اللہ کی رحمت اور اس کے عذاب کے جو بڑے بڑے واقعات پیش آئے ہیں ان کے ذریعہ سے لوگوں کو یاد دہانی کرو۔ آیت زیر بحث میں بھی اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس طرح کے فتح و شکست کے جو واقعات پیش آتے ہیں، یہ ہر قوم کو پیش آتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے قانونِ آزمائش کے تحت پیش آتے ہیں۔

معطوف بغیر معطوف علیہ کے

ولیعلم اللّٰہ الذین الآیہ کا معطوف علیہ یہاں مذکور نہیں ہے۔ ہم اس کتاب میں ایک سے زیادہ مقامات میں ذکر کر چکے ہیں کہ جب اس طرح حرف عطف آئے تو اس کا معطوف علیہ محذوف ہوتا ہے اور وہ قرینہ سے معین ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس سے پہلے لنبتلیکم محذوف ہے۔ ہم نے ترجمہ میں اس کو کھول دیا ہے۔

شہداء

ویتخذ منکم شھداء میں شہدا سے مراد اللہ کی راہ میں شہادت کا درجہ حاصل کرنے والے ہیں۔ ان لوگوں کو شہید کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس امت پر شہادت علی الناس کی جو ذمہ داری اللہ تعالےٰ کی طرف سے ڈالی گئی ہے اس کا حق یہ جان دے کر کرتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ مستحق ٹھہرے کہ ان کو شہید کے لقب سے ملقب کیا جائے۔ یہ گویا لفظ کا استعمال اس کے حقیقی مصداق کے لئے ہے۔ اس ٹکڑے سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں شہادت کا مرتبہ ایسا عالی مرتبہ ہے اور اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے اندر اس کی طلب اتنی شدید تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس میدان میں گوئے سبقت لے جانے والوں کے شوق و جذبہ کی تسکین کے لئے مواقع فراہم فرمائے۔ چنانچہ احد میں جو افتاد پیش آئی اس

میں جہاں دوسری حکمتیں اور مصلحتیں تھیں وہاں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ جن کے لئے یہ منصب عالی مقدر ہے وہ اس موقع پر اس سے سرفراز ہو جائیں۔

ولیمحص اللہ الذین اٰمنوا الآیۃ میں تمحیص کے معنی کسی چیز کو میل کچیل اور کھوٹ سے بالکل پاک صاف کر دینا ہے۔ محص الذھب بالنار کے معنی ہوں گے، سونے کو غل وغش اور کھوٹ سے پاک صاف کر دیا۔

الفاظ کی تحقیق کے بعد اب ان آیات کے مطالب ترتیب کے ساتھ ہم پیش کرتے ہیں۔

احد کی شکست سے کمزور قسم کے لوگوں پر جو دل شکستگی طاری ہوئی اس نے بہت سے ذہنوں میں یہ خیال بھی پیدا کر دیا کہ اسلام کے لئے فتح و غلبہ کی جو بشارتیں سنائی جاتی رہی ہیں وہ سب بس یوں ہی یا در ہوا باتیں تھیں۔ مقصود ان سے محض اپنی ہوا باندھنا اور لوگوں کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا تھا۔ اب ساری حقیقت کھل گئی۔ منافقین اور مخالفین نے موقع غنیمت پاکر اس خیال کو خوب ہوا دی۔ تاکہ مسلمانوں کو اسلام کے مستقبل کی طرف سے بالکل مایوس کر دیں۔ قرآن نے یہاں اس پروپیگنڈے کا رد کیا۔ اور مسلمانوں کو اطمینان دلایا کہ احد کے حادثہ سے دل شکستہ اور پست ہمت نہ ہو۔ حق و باطل کی اس کشمکش میں غالب اور سربلند، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے تمہی رہو گے بشرطیکہ تم سچے اور پکے مومن بن جاؤ۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے جیسا کہ جنگ احد میں پہنچ گیا تو یہ کوئی مایوس ہو جانے کی بات نہیں ہے۔ تمہارے دشمنوں کو بھی خود اسی جنگ میں اور اس سے پہلے بدر میں کافی چوٹ پہنچ چکی ہے۔ فتح و شکست کے یہ ردو بدل جو ہوتے ہیں خدا کی حکمت کے تحت اور اس کے حکم سے ہوتے ہیں، ان سے یہ نتیجہ نکال لینا جائز نہیں ہے کہ خدا کی سنت میں کوئی تبدیلی ہو گئی ہے اور اب وہ نیکوں کے بجائے بدوں کو ہی پیار کرنے لگا ہے بلکہ اس سے مقصود لوگوں کو جانچنا پرکھنا اور ان کی صلاحیتوں کو ابھارنا ہوتا ہے۔ اسی سے سچے اور کچے، مخلص اور منافق میں امتیاز ہوتا ہے اور حق کے لئے جان کی بازی کھیلنے والے شہدا کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ نہ خیال کرو کہ احد میں اگر قریش کو فتح ہو گئی تو اللہ تعالیٰ اب اہل ایمان کے بجائے ان ظالموں ہی سے محبت کرنے لگا ہے بلکہ درحقیقت یہ بھی اہل کفر کو مٹانے ہی کی ایک تدبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو امتحان کی بھٹی سے گزار کر یہ چاہتا ہے کہ ان کے اندر سے ہر قسم کا کھوٹ نکال کر ان کو بالکل زرِ خالص بنا دے اور کفر و اہل کفر سے ان کو چھانٹ کر بالکل الگ کر دے۔ اس علٰحدگی کے بعد اہل ایمان اس زنجیر سے بالکل آزاد ہو جائیں گے جو ان کی ترقی میں مزاحم ہے اور ساتھ ہی پھر اہل کفر کا مٹ جانا

بحیثیت مقصود کفر کو مٹانا ہے

بھی قطعی ہے کیونکہ اس دنیا میں باطل صرف اس وقت تک باقی رہ سکتا ہے۔ جب تک اس کو کچھ حق کا سہارا حاصل رہے۔ اگر حق کا سہارا اس سے بالکل ہی چھن جائے تو اس کا نابود ہو جانا یقینی ہو جاتا ہے۔ اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے بالحق پیدا کیا ہے، اس وجہ سے کسی باطل مجرد کی پرورش اس کے مزاج کے بالکل خلاف ہے۔ تمحیص کے ذکر کے بعد ویمحق الکافرین سے اسی فلسفہ کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ نبی اور اسکے ساتھیوں کی ہجرت کے بعد اہل کفر پر جو عذاب آتا ہے اس میں بھی یہی رمز ہے۔ تفصیل اس کی سورہ برأت میں آئے گی۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (۱۴۲)
وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (۱۴۳)

'علم یعلم' کے مختلف معانی پر سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم بحث کر چکے ہیں۔ یہاں قرینہ دلیل ہے کہ یہ میز کرنے اور چھانٹ کر الگ کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جاھدوا منکم کے بعد اس کا مقابل جملہ الذین لم یجاھدوا ایجاز کے معروف اسلوب کے مطابق حذف کر دیا گیا ہے۔ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ میں یعلم کے فتحہ کے بارے میں لوگوں نے مختلف توجیہیں پیش کی ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس کا عطف اوپر ولیعلم اللہ الذین امنوا پر ہے۔ وہاں چونکہ کلام قانون ابتلا کی دوسری حکمتوں کے بیان کی طرف مڑ گیا تھا اس وجہ سے صبر کے ذکر کو مضمونِ جہاد سے وابستہ کر دیا لیکن اس کے فتحہ سے یہ بات آپ سے آپ واضح ہو گئی کہ آزمائش کر کے اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو چھانٹنا چاہتا ہے ان میں صابرین بھی ہیں۔

راہِ حق میں آزمائشیں ناگزیر ہیں

احد کی شکست سے جو لوگ بددل ہوئے تھے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تمہارا یہ گمان تھا کہ حق کی راہ خطرات اور آزمائشوں سے خالی ہے اور تم اسلام کا دعویٰ کر کے ایک ٹھنڈی سڑک سے سیدھے سیدھے جنت میں جا براجو گے تو تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ خدا کی جنت میں کوئی شخص اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک امتحان سے یہ متعین نہ ہو جائے کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کا ولولہ رکھتا ہے یا نہیں اور حق کے لئے آزمائشوں کی تاب لا سکتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اسی چیز کی جانچ کے لئے تمہیں یہ احد کی آزمائش پیش آئی۔ اب تک تمہاری طرف سے جہاد کے لئے بڑے جوش و خروش کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ لیکن اس کی نوعیت صرف زبانی جمع خرچ کی تھی۔ ضرورت تھی کہ سچے اور جھوٹے، عاشقِ صادق اور بوالہوس کے درمیان امتیاز کے لئے کوئی ایسا موقع پیش آئے جب موت سے رو در رو ہو کر تمہیں لڑنا پڑے چنانچہ یہ موقع اللہ نے تمہیں دکھا دیا اور تمہارے کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کی ایک کسوٹی سامنے آگئی۔ یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ جو لوگ دل کے کمزور تھے بالعموم وہ زبان سے شوقِ جہاد کا اظہار زیادہ کرتے تھے

(آگے دیکھئے ص۱۴ پر)

افادات فراہیؒ

خالد مسعود

نفس میں گناہوں کا سرچشمہ[1]

اللہ تعالٰے نے نفس کو عقل اور اختیار کی نعمتوں سے مشرف کیا ہے۔ تاکہ وہ بلند ترین درجات کا مستحق ہو سکے۔ خدا نے اسے نیکی اور گناہ دونوں کا الہام کر کے ان کے ذریعے اس کی آزمائش کی اور صبر و شکر اور عبودیت و انابت کی مختلف حالتوں میں سے اسے گزار کر رحمت و محبت اور تزکیہ کے مقامات تک بلند کر دیا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے وجود سے نکل کر کامل عبودیت میں فنا ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا

— خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ (ملک ۲)

اس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔ تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عملوں کے اعتبار سے کون سب سے اچھا ہے، اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (دہر - ۲)

بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا جسے ہم الٹتے پلٹتے رہے، پھر ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اسے فطرت کی راہ دکھائی۔ اب خواہ وہ قدر شناس بنے یا ناشکرا بنے۔

سمیع و بصیر بنایا یعنی خدا نے انسان کو سمجھنے اور امتیاز کرنے کی صلاحیت دی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ راستے کو دیکھ بھی سکے اور جو وحی اس کی طرف کی جائے اس کو سن بھی سکے۔ پھر سعادت اور

---

[1] سلسلہ کے لئے دیکھئے شمارہ ماہ جولائی ۱۹۶۶ء

کامیابی کی راہ سمع و بصر کے بعد عقل کو استعمال کرنے کے نتیجہ میں دکھائی۔ انسان یا تو اپنے اختیار سے اس راہ پر چل کر شکر گذار بنا یا، اس سے منہ پھیر کر ناشکرا بن گیا۔

اسی مضمون کو ایک اور مقام پر یوں بیان فرمایا ہے :۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ	کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں
وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ	اور زبان اور دو ہونٹ اور اس کو
(بلد ۸-۱۰)	دو راستوں کی ہدایت دی۔

ھدینٰہ النجدین کے الفاظ ھدینٰہ السبیل کی مانند ہیں اور مراد ان سے خیر و سعادت کا راستہ ہے جیسا کہ ان الفاظ کے فوراً بعد واضح بھی کر دیا۔

خدا کی طرف سے یہ آزمائش بھی تخلیق ہی کا ایک حصہ ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ اس کے ذریعے ان خصوصیات کو ظاہر کرتا ہے جو اس نے طبیعتوں کے اندر ودیعت کر رکھی ہیں۔ پس وہ نفس کے اسرار کو اسی طرح اجاگر کرتا ہے۔ جس طرح زمین سے دانے اور پھول نکالتا ہے۔

نفس کو عقل اور اختیار عطا کرنے کے بعد اس کی جو آزمائش ہوئی، وہ ودیعت کردہ قوتوں کے استعمال ہی کے ذریعے ہوئی۔ اس کے نتیجے میں نفس سے نیکیاں بھی ظاہر ہوئیں اور بدیاں بھی سرزد ہوئیں پھر خدا نے اسے صبر اور ندامت جیسی قوتیں بھی عطا کر دیں۔ جو شر میں سے بھی خیر کا پہلو نکال لیتی ہیں اس کے بعد اس نے نفوس کو ایک عظیم امانت اٹھوا دی جس کو انہوں نے اپنے اختیار سے اٹھا بھی لیا اسی کے متعلق فرمایا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ	بیشک ہم نے امانت کو آسمانوں اور
وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا	زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا
وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ	تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار
اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا لِّيُعَذِّبَ	کر دیا اور اس سے ڈر گئے مگر انسان
اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ	نے اس کو اٹھا لیا۔ بلاشبہ وہ ظلم کرنے
وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ	والا اور جاہل تھا۔ تاکہ نتیجتاً خدا
اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ	منافق مردوں اور منافق عورتوں اور
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔	مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو
(احزاب ۷۲-۷۳)	عذاب دے اور مومن مردوں اور مومن

عورتوں پر خدا مہربانی فرمائے اور خدا تو بخشنے
والا اور مہربان ہے۔"

یعنی چونکہ انسان کو تقویٰ اور عقل کی قوتیں ودیعت کی گئی تھیں اور یہ اس وقت تک کمال کو نہیں پہنچتیں جب تک وہ بڑا ہی زیرک متقی نہ بن جائے اس لئے اس نے یہ امانت اٹھالی۔ انسان کو اختیار پہلے ہی سے حاصل تھا۔ ورنہ وہ دوسری مخلوق پر سبقت نہ لے سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے اسے سمیع و بصیر فرمایا۔ اس کو ظلوم و جہول کہنے کی وجہ اس کی صفات کے بعض دوسرے پہلوؤں کا اظہار ہے۔

مذکورہ آیات میں یہ بات بھی واضح فرمائی کہ اللہ تعالےٰ کی ایک مستقل صفت یہ ہے کہ وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ جب تک انسان خود انکار کر کے اپنے آپ کو دوسرے سلوک کا مستحق نہ بنالے، خدا کی شان یہی ہے کہ وہ ہمیشہ رحمت اور مغفرت کرتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نفس کی حالت خود انسان کے اپنے اختیار میں ہے اور نیکی یا بدی پر وہ ہرگز مجبور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ بھی تو ہے۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (نجم ۳۹)   انسان کے لئے وہی کچھ ہوگا جس کیلیے
اس نے سعی کی ہوگی۔

غور کیجئے تو یہ ایک بہت ہی بلند مرتبہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو فائز کیا ہے اور اس کو اپنی خلافت عطا کی ہے جیسا کہ فرمایا۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ   "وہی ہے جس نے تم کو زمین کے نائب
فَمَنْ کَفَرَ فَعَلَیْہِ کُفْرُہٗ۔   بنایا تو جس نے کفر کیا اس کے کفر کا
(انعام - ۱۶۵)   وبال اسی پر ہوگا"

یعنی خدا نے انسان کو اپنا نائب بنانے کے بعد اس بات پر مجبور نہیں کیا کہ وہ اس کا مطیع ہو جائے اور یہی خلافت کی حقیقت ہے۔ چونکہ انسان کو اختیار کی نعمت اللہ کی ہی بخشی ہوئی ہے اس لئے اس میں اور پروردگار کے اختیار میں کوئی تعارض نہیں۔ لہذا اس بحث میں وہ سوالات سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے جو قدریوں نے اٹھائے ہیں۔

پھر تم یہ بھی دیکھو گے کہ قرآن کی کوئی آیت واضح طور پر جبر پر دلالت نہیں کرتی۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہمارے گناہ بھی اختیار کی نعمت ہی کے ظلال ہیں اور ان کی حیثیت نفس کو بلندیوں پر لے

چلنے والے قدموں کی ہے۔ گویا نفس کی مثال اس بچے کی سی ہے جو چلنا سیکھنے کے لئے اپنے گہوارے میں پھسلتا رہتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں یہ حقیقت پوری طرح واضح کر دی گئی ہے ملائکہ کی نظر انسان کی برائیوں پر پڑی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جواب دیا کہ تم حکمت کے اسرار سے واقف نہیں ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بنا پر آدم کے شرف کا اثبات کیا۔ پھر جب آدم نے اختیار کی وادی میں اپنا سفر شروع کیا تو وہ گرے بھی اور اٹھے بھی اور یوں اپنی منزل کو پہنچے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ہماری نجات کا اور گناہوں سے ہمیں پاک کرنے کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ توبہ کرنے والے کی قدر افزائی کی صراحت بھی کر دی۔ یہ حقیقت قرآن سے بھی ثابت ہے اور انجیل میں اس کے متعلق کھوئی ہوئی بھیڑ[1] کی تمثیل بیان کی گئی ہے۔ حدیث میں مسافر اور اس کی سواری[2] والی مثال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے قول کو واضح کیا گیا ہے۔ اگرچہ اسلوب بیان ذرا مختلف ہے۔

پس یہ اس شبہ کا حل ہے جو گناہوں کے وجود سے آدمی کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے جہاں تک مصائب کے وجود کا تعلق ہے ہم اس کی وضاحت آگے کریں گے۔

---

[1] بائبل کے مندرجہ ذیل بیان کی طرف اشارہ ہے۔

"اس نے ان سے یہ تمثیل کہی کہ تم میں کون ایسا آدمی ہے۔ جس کے پاس سو بھیڑیں ہوں ان میں سے ایک کھو جائے تو ننانوے کو بیابان میں چھوڑ کر اس کھوئی ہوئی کو جب تک مل نہ جائے ڈھونڈتا نہ رہے؟ پھر جب مل جاتی ہے تو وہ خوش ہو کر اسے کندھے پر اٹھا لیتا ہے۔ اور گھر پہنچ کر دوستوں اور پڑوسیوں کو بلاتا اور کہتا ہے۔ میرے ساتھ خوشی کرو۔ کیونکہ میری کھوئی ہوئی بھیڑ مل گئی۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ننانوے۔ راستبازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گنہگار کے باعث آسمان پر زیادہ خوشی ہوگی" (لوقا: ۱۵ — ۳تا۷)

[2] مسلم شریف کی ایک روایت میں یہ مضمون یوں بیان ہوئی ہے:

"حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص توبہ کرتا ہے تو خدا کو اپنے اس بندے کی توبہ سے جو خوشی ہوتی ہے وہ اس شخص کی خوشی سے بھی زیادہ ہوتی ہے جو اپنی سواری پر ایک بیابان میں جا رہا تھا تو وہ سواری اس کے ہاتھ سے نکل بھاگی۔ اس کا کھانے پینے کا سامان اسی پر تھا۔ وہ اس کی تلاش سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سائے میں آکر لیٹ گیا۔ اس وقت اس کو سواری ملنے کی کوئی امید نہ تھی۔ اچانک کیا دیکھتا ہے۔ کہ وہ اس کے پاس کھڑی ہے۔ اس نے لپک کر اس کی باگ پکڑ لی اور خوشی کی شدت میں اس کے منہ سے نکلا "اے اللہ! تو میرا بندہ ہے — اور میں تیرا رب ہوں" یعنی فرط مسرت سے غلط بات اس کے منہ سے نکل گئی" (خ - م)

مقالات

خالد مسعود

زکوٰۃ کی حقیقت

— ۳ —

زکوٰۃ کا مفہوم

دین میں زکوٰۃ کے مقام کو متعین کرنے کے بعد جب ہم اس نظام کی حقیقت کو سمجھنا چاہیں تو اس کے لئے ابتدائی رہنمائی ہمیں خود لفظ زکوٰۃ سے مل جاتی ہے جس کو دین میں بطور اصطلاح استعمال کیا گیا ہے۔

یہ لفظ زکا، یزکو کے مادہ سے ہے اور اس کے معنی پاکیزگی کے آتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ اور خضر کے واقعہ میں لڑکے کو قتل کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے جہاں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، وہاں اس کے معنی پاکیزگی ہی کے ہیں۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ
فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۔
فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ
زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا (کہف ۸۰-۸۱)

رہا لڑکا تو اس کے والدین مومن تھے۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ سرکشی اور ناشکری سے ان کو بھی متاثر نہ کر دے پس ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کی جگہ انہیں ایسی اولاد دے جو اس لڑکے کی نسبت پاکیزگی کے لحاظ سے بہتر اور اظہار رحم میں اس سے قریب تر ہو۔

اس واقعہ میں حضرت موسیٰؑ نے اس لڑکے کے لیے نفس زکیہ کے الفاظ استعمال کئے اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً (کیا تو نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا؟) یہاں زکیہ کا مطلب ہوگا وہ جان جو گناہوں سے پاک ہو۔

زکا یزکو کے مادہ کے دوسرے معنی بڑھنے اور نشو و نما پانے کے آتے ہیں۔ زکا الزرع کے معنی ہیں، کھیتی بڑھی اور اپجی۔ جب آدمی آسودگی کے باعث خوب تنومند ہو جائے تو کہیں گے زکا الرجل۔

شریعت کی اصطلاح 'زکوٰۃ' کے اندر بھی پاکیزگی اور نشو و نما دونوں ہی کا مفہوم پایا جاتا ہے کیونکہ زکوٰۃ نفس اور مال دونوں کی پاکیزگی کا باعث بھی ہے اور اس سے مال میں برکت اور بڑھوتری بھی ہوتی ہے۔ ان دونوں مفہوموں پر خود قرآن کی مخصوص دلیلیں ہیں۔ پہلے معنی کے لحاظ سے فرمایا۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ ان کے مالوں کا صدقہ قبول کر لیا کرو ان کو

وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (توبہ — ۱۰۴)	اس کے ذریعہ سے تم پاک کرو گے اور ان کا تزکیہ کرو گے ۔

اس آیت میں اگرچہ یہ خصوصیت صدقہ کی بیان کی گئی ہے کہ اس کے نتیجہ میں صدقہ دینے والا تزکیہ پاتا ہے لیکن یہ آیت زکوٰۃ کو بھی محیط ہے کیونکہ زکوٰۃ، جیسا کہ معلوم ہے، صدقہ ہی کی ایک مخصوص شکل ہے۔

دوسرا مفہوم سورہ روم کی آیت سے واضح ہوتا ہے فرمایا۔

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ	اور جو سودی قرض تم دیتے ہو کہ لوگوں کے مالوں
فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ	میں بڑھے تو یہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو
تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ	زکوٰۃ تم دیتے ہو اللہ کی رضا جوئی کے لئے تو یہی
(روم - ۳۹)	لوگ ہیں جو اپنے دیئے ہوئے کو بڑھانے والے ہیں

زکوٰۃ تربیت نفس کے پہلو سے

قرآن نے یہ جو فرمایا ہے کہ زکوٰۃ سے لوگوں کے نفس کی تربیت ہوتی ہے تو اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ بخل اور محبت مال نہ صرف متعدد نیکیوں کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں بلکہ مثبت طور پر کئی برائیاں ان کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں۔ یہ زر پرستی ہی ہے جس کی بدولت لوگ قطع رحم جیسے سنگین جرم کے مرتکب ہوتے اور یتامیٰ اور مساکین کے معاملے میں سنگدلی کا رویہ اختیار کرتے ہیں اور یہ محبت مال ہی ہے جو آدمی سے دوسروں کے حقوق پر ڈاکے ڈلواتی اور معاملات میں اس سے انتہائی گھناؤنا کردار ادا کرواتی ہے۔ قرآن مجید نے جہاں کہیں اپنے مخاطبین کے کردار کے اس پہلو کو اجاگر کیا ہے کہ وہ اپنے معاشرہ کے کمزور انسانوں کے ساتھ انتہائی غیر انسانی سلوک کرتے ہیں اور ان کے ساتھ معاملہ میں وہ کسی حق و انصاف کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ وہاں یہ اشارہ بھی کر دیا ہے کہ ان کے اندر یہ رذائلِ اخلاق طمع مال کے پیدا کردہ ہیں۔ مثال کے طور پر ایک ایسے ہی موقع کی آیت میں فرمایا۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحَاضُّونَ	نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت افزائی نہیں کرتے،
عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا	مسکین کو کھانا کھلانے پر نہیں اکساتے، مالِ
لَّمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۔	وراثت کو سمیٹ کر ہڑپ کر جاتے ہو اور
(فجر — ۱۷، ۲۰)	مال سے بہت ہی گہری محبت رکھتے ہو۔

گویا زر پرستی اور طمعِ مال کی برائی تنہا نہیں آتی بلکہ یہ اپنے ساتھ اپنے قبیل کی دوسری برائیوں کا ایک اچھا خاصا کنبہ بھی لاتی ہے۔

محبت مال کی یہ لَے جب زیادہ بڑھتی ہے تو اس سے اور بڑی برائیاں وجود میں آتی ہیں۔ قرآن میں قارون کا جو کردار بتایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت مال نے اس شخص کو اتنا بے حس بنا دیا تھا کہ وہ اپنی قوم اور اپنی مذہبی روایات ہر چیز سے دامن چھڑا کر الگ ہو گیا۔ اس کی نظروں میں ہر وہ کام تو بار پانا تھا جس سے اس کی دولت اور دنیوی جاہ و جلال میں اضافہ ہو سکے مگر دنیا کا ہر پردہ اتنا دبیز تھا کہ آخرت کے تقاضے اس کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو گئے اور خدا کے سامنے پیش ہونے کا احساس اس کے دل سے بالکل ختم ہو گیا۔ قارون کے کردار سے ملتا جلتا کردار قرآن نے ابولہب کا بھی پیش کیا ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ یہ جمع مال کی خواہش اور حرص ہی تھی جو اس شخص کو لے ڈوبی اور اس کو رہتی دنیا تک رذالتِ اخلاق کا ایک نشان بنا دیا۔

زکوٰۃ کے مالی مطالبات آدمی کی جمع مال کی خواہش ہی پر سب سے پہلے ضرب لگاتے ہیں اور اس کے اندر یہ جذبہ پیدا کرتے ہیں کہ دوسروں کے حقوق کے معاملے میں وہ فراخ دلی سے کام لے، ان کی تکالیف سے صرف نظر کرنے کی بجائے ان کا غمگسار بنے اور غربا و مساکین کے ساتھ احسان کا سلوک کرے۔ اس جذبہ کے پیدا ہونے کے بعد نیکیوں کی راہ خود بخود آسان ہو جاتی ہے۔ بخیل آدمی کے لئے یہ راہ کبھی نہیں کھلتی۔ اسی لئے قرآن مجید نے فرمایا۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ فَسَنُیَسِّرُہٗ	پس جس نے (مال) دیا اور ڈرا اور اچھے انجام
لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَ	کو سچ جانا اس کے لئے ہم آسانی کی راہ کھولینگے
کَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی	اور جس نے بخل کیا اور بے نیاز ہوا اور اچھے انجام
(لیل ۵ - ۱۰)	کو جھوٹا جانا تو اس کو ہم تنگی کی راہ پر ڈالینگے

دوسرے الفاظ میں محبتِ مال، ادائے حقوق اور نیکیوں کی راہ کا بہت بڑا حجاب ہے اور زکوٰۃ وہ حکم ہے جو اس حجاب کو دور کر کے آدمی کے نفس کو پاک کرتی ہے۔

یہاں امام فراہیؒ کی اس بحث کا حوالہ مفید رہیگا جو انہوں نے تفسیر سورہ کوثر میں انسان کی خود پرستی کے بارے میں لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔

" اس حالت کی وجہ سے انسان کے لئے ضروری ہوا کہ وہ نفس کے صنمِ اکبر کو توڑے، اور نفس کی حقیقت پر جن لوگوں نے غور کیا ہے ان کو معلوم ہے کہ نفس کے دو بازو ہیں سبعیت[1] اور بہیمیت[2]۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ انسان کو ان دونوں بازوؤں کے توڑنے کی تدبیر بتائی جائے۔ اب ان دونوں کی تفصیلات پر غور کرو۔

۱۔ اول یعنی سبعیت کے توڑنے کی تدبیر یہ ہے کہ اللہ کے حضور خشیت و تذلل کے ساتھ نماز کی پابندی کی جائے۔ نفس کے کبر و نخوت کا سر صرف نماز ہی سے کچلا جاسکتا ہے کیونکہ خشوع، نماز کا سب سے نمایاں پہلو ہے۔

۲۔ دوسرے بازو یعنی بہیمیت کے توڑنے کی تدبیر یہ ہے کہ نفس اس دنیا کی جن مرغوبات میں لذت پاتا ہے ان سے اس کو علیحدہ کیا جائے۔ اس کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ خدا کی راہ میں جان قربان کی جائے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اطاعت الٰہی کی راہ میں مصائب و آلام جھیلے جائیں اور لذات سے کنارہ کشی اختیار کی جائے کیونکہ زندگی کے بعد نفس کو سب سے زیادہ محبوب لذات ہی ہیں — روزہ اس منزل میں بہترین رہبر ہے ......

تیسرا درجہ یہ ہے کہ مال کو جو تمام لذّات کے حصول کا ذریعہ ہے خدا کے راستہ میں خرچ کیا جائے۔ اس منزل میں رہبر زکوٰۃ ہے۔ متعینہ زکوٰۃ سے زیادہ خرچ کرنے میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو چیز غرور کا سبب ہوتی ہے آدمی اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتا ہے۔ پھر چونکہ مقصود ذبح بہیمیت سے نفس کو ان چیزوں کی غلامی سے چھڑانا ہے جن کی لذتیں اس پر گھیرے ڈال رہی ہیں اس وجہ سے ضروری ہوا کہ خدا کی راہ میں وہ چیز خرچ کی جائے جو نفس کو محبوب ہو۔" (تفسیر سورۂ کوثر)

زکوٰۃ خدا کی شکرگزاری ہے

زکوٰۃ کے بارے میں قرآن نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ یہ خدا کے لئے آدمی کے جذبۂ شکر کا اظہار ہے۔ خدا نے بنی آدم کو جن بھرپور نعمتوں سے نوازا ہے ان سے استفادہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اس ہستی کا شکر ادا کیا جائے جس نے ان نعمتوں کی ارزانی فرمائی۔ یہی وجہ یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کو استعمال میں لاتے وقت خدا کا شکر ادا کیا کرتے تھے۔

مال کی فراوانی کے بارے میں قرآن نے یہ نقطۂ نظر دیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے، جو بلا استحقاق محض خدا کے فضل سے کسی کو حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کے معاملات کے لحاظ سے تو اس کی اہمیت یہ ہے کہ رزق کی اونچ نیچ کی بدولت ایک آدمی کو دوسرے کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ کوئی شخص حاکم بنتا ہے کوئی محکوم۔ کسی کے حصے میں خدمت آتی ہے اور کوئی مخدوم بنتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں دنیا کا کوئی کام دھرا نہیں رہ جاتا اور انسانی معاشرہ بحیثیت مجموعی کسی وقت بھی جمود سے دوچار نہیں ہوتا۔ اسی حقیقت کی تعبیر قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے۔

مثلاً فرمایا وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ	اور املا وہ شخص کرائے جس کے ذمے قرض
(بقرہ - ۲۸)	واجب الادا ہے۔

دوسری جگہ آیا ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ	اور مطلقہ عورتوں کو دستور کے مطابق دینا دلانا
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (بقرہ ۲۴۱)	ہے۔ یہ متقین پر ایک حق ہے۔

ان دونوں آیتوں میں یہ لفظ واجب الادا کے معنی میں آیا ہے۔ دوسرے معنی یعنی ثابت شدہ حصہ کیلئے نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (بنی اسرائیل)	قرابت دار کو اس کا حق دو۔

زکوٰۃ کے ضمن میں حق کا لفظ اپنے ان دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر پہلے مفہوم کے لحاظ سے فرمایا۔

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا	کھاؤ اس کا پھل جب وہ پھلے اور اس کا حق
حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (انعام - ۱)	ادا کرو اس کی کٹائی کے دن۔

اور دوسرے معنی کے اعتبار سے یوں آیا ہے

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ	اور قرابت دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر
وَابْنَ السَّبِيْلِ (بنی اسرائیل)	کو اس کا حق۔

زکوٰۃ کے بارے میں قرآن مجید کے مذکورہ فرمان پر اگر ان دونوں معنوں کی روشنی میں غور کیا جائے تو بات یہ بنتی ہے کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی ادائیگی میں غفلت کرے تو اس کی اس کوتاہی کی حقیقت بس اسی قدر نہ ہوگی کہ وہ ایک نیکی کرنے سے محروم رہا بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایک حق کو دبا لینے کا مجرم ہوا اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی قباحت قانون و اخلاق، دنیا و دین ہر ایک میں ثابت و مسلّم ہے۔

زکوٰۃ کا یہ مفہوم کہ یہ حاجت مندوں کا حق ہے یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر مالدار آدمی کا مال پورا کا پورا اس کا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا ایک حصہ حاجت مندوں کا بھی ہوتا ہے۔ مال کا یہ حصہ عملاً اگر ایک مالدار آدمی کے قبضہ میں ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے دوسروں کا مال اس کے پاس بطور امانت رکھ دیا ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ اس امانت کو ٹھیک ٹھیک اس کے مستحقین تک پہنچائے۔ مال کی یہ حیثیت قرآن مجید کے ایک دوسرے مقام سے بھی واضح ہوتی ہے۔ سورۂ حدید میں ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا	ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور خرچ

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِيَتَّخِذَ
بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (زخرف ۳۲)

ہم نے ان کے مابین ان کی روزی دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دی ہے اور بعض کے درجے دوسروں سے بلند کر دیئے ہیں تاکہ کچھ لوگ دوسروں سے خدمت لے سکیں۔

لیکن یہ نعمت اپنا اظہار بھی چاہتی ہے، اس بات کا اظہار کہ نعمت پانے والا اپنے منعم کے انعام کا احساس رکھتا ہے اور قدر شناسی کی علامت کے طور پر اس نعمت کے ایک حصے کو اپنے منعم ہی کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اگر آدمی اس نعمت سے اپنی ذات کو تمام آسائشیں فراہم کر کے دے مگر منعم کی شکر گذاری کا جذبہ اس کے اوپر طاری نہ ہو تو یہ اس نعمت کی سخت بے قدری ہوگی۔

خدا کی عطا کردہ ہر دولت زبان حال سے یہ اعلان کرتی ہے کہ انسان اس کو اپنے استعمال میں لائے اپنی ضروریات اس سے پوری کرے مگر خدا کا حق اس میں سے ادا کرنا نہ بھولے اور نہ ہی اس حقیقت کو فراموش کرے کہ حقیقت میں وہ دولت خدا کی ایک امانت ہے جسے خدا نے اس کے تصرف میں دے دیا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف سورہ انعام کی مندرجہ ذیل آیت اشارہ کر رہی ہے

وَهُوَ الَّذِيْ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ
وَّغَيْرَ معروشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ
مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ
مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوْا مِنْ
ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ
حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْرِفِيْنَ (انعام ۱۴۱)

اور وہی ہے جس نے باغ پیدا کیے چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے گئے وہ بھی اور کھجور اور کھیتی جنکے پھل طرح طرح کے ہوتے ہیں اور زیتون اور انار، جو ایکدوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور الگ الگ بھی۔ کھاؤ اس کا پھل جب یہ پھلے اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو بیشک خدا اسراف کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

زکوٰۃ ایک حق ہے

قرآن مجید میں زکوٰۃ کو ایک حق قرار دیا گیا ہے اور مسلمانوں سے مطالبہ یہ نہیں کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مالوں میں سے غرباء کو بھی کچھ بخشش دے دیا کریں بلکہ قرآن کا فرمان یہ ہے کہ زکوٰۃ کے حق کو ادا کریں۔

حق کا لفظ کسی کے ذمہ کی واجب الادا (DUE) رقم کے لئے بھی آتا ہے اور کسی کے ثابت شدہ حصہ (RIGHT) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ان دونوں معنوں میں یہ لفظ قرآن نے استعمال کیا ہے (باقی

افکار و آرار

- ادارہ اجمل باغ
- مولانا ابو منظور شیخ احمد

تحریکِ جماعتِ اسلامی پر تبصرے

(۱)

ذیل کا مضمون ہمیں سردار محمد اجمل خان لغاری، بانی ادارہ اجمل باغ، رحیم آباد ضلع رحیم یار خان کی جانب سے موصول ہوا ہے۔ "تحریکِ جماعت اسلامی" کے مؤلف کے جو مراسم سردار صاحب موصوف سے رہے ہیں وہ کتاب کے مقدمے میں مجملاً بیان ہو چکے ہیں۔ وہاں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ یہ کتاب جس نقطۂ نظر کی حامل ہے، سردار صاحب موصوف کی ملاقاتوں اور گفتگوؤں سے اس کو نہ صرف تائید ہی نہیں تقویت بھی حاصل ہوتی تھی۔ سردار صاحب نے جائزہ کمیٹی کو خود کوئی بیان بھی نہیں دیا تھا بلکہ یہ لکھ کر دے دیا تھا کہ "ڈاکٹر اسرار احمد کے بیان ہی کو میرا بیان بھی سمجھا جائے"۔

پیشِ نظر مضمون میں اگرچہ چند باتیں ایسی بھی ہیں جن سے ہمیں شدید اختلاف ہے، تاہم کچھ اس وجہ سے کہ ہمارے نزدیک اس کے مصنف ایک انتہائی دردمند اور مخلص مسلمان ہیں اور کچھ اس بنا پر بھی کہ یہ بھی ایک نقطۂ نظر ہے جسے سامنے آ جانا چاہیئے، ہم اسے من و عن شائع کر رہے ہیں،

البتہ چند وضاحتیں ضروری ہیں۔

ایک یہ کہ اس مضمون سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ یہ بات نگاہوں سے اوجھل ہو گئی ہے کہ "تحریکِ جماعتِ اسلامی" کوئی تازہ تصنیف نہیں بلکہ اُس بیان پر مشتمل ہے جو آج سے دس سال قبل جائزہ کمیٹی کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ اور اسے واقعۃً ایک "تاریخی دستاویز" ہی کی حیثیت سے شائع کیا گیا ہے۔ مولانا مودودی صاحب کا نظریۂ حکمتِ عملی اس بیان کی تحریر کے بعد کی پیداوار ہے۔ ان سطور کے راقم پر اس نظریے کی فتنہ انگیزی اور ہلاکت آفرینی جتنی کچھ واضح ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اسی نے اولاً مولانا اصلاحی صاحب کو اس کی جانب متوجہ کیا تھا، مولانا موصوف نے اس باطل نظریے پر جو عالمانہ اور محققانہ گرفت فرمائی ہے وہ ہمارے نزدیک اس موضوع پر حرفِ آخر ہے۔ اور اس سے اس دور میں دین کی ایک اہم خدمت ہی نہیں ہوئی بلکہ مولانا مودودی اور جماعتِ اسلامی کی اٹھارہ سالہ

رفاقت کا حق بھی ادا ہو گیا ہے ۔

"میثاق" میں "نقضِ غزل" سے جو سلسلہ مضامین شروع ہوا ہے اس میں انشاء اللہ اس نظریئے پر بھی اس کے اصل پس منظر (PERSPECTIVE) میں کلام ہو گا ۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک یہ نظریہ جماعتِ اسلامی کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے ۔

دوسرا معاملہ جماعت سے نکلنے والوں کے طرزِ عمل کا ہے ۔ اس سلسلے میں راقم الحروف نے "تحریکِ جماعتِ اسلامی" کے دیباچے میں جو رائے ظاہر کی ہے اسے خواہ "سادگی" پر محمول کیا جائے خواہ "واقعات سے لاعلمی" پر، بہرحال یہ اس کی سوچی سمجھی رائے ہے جس کی وضاحت "نقضِ غزل" کی آئندہ اقساط میں ہو جائے گی ۔ یہاں صرف یہ گزارش ہے کہ انسان کے ہر طرزِ عمل اور رویّے پر دو پہلوؤں سے کلام ہو سکتا ہے ۔ ایک اس اعتبار سے کہ خود اس کے نزدیک اس کے طرزِ عمل کی توجیہہ کیا ہے اور کن باطنی داعیات یا خارجی محرکات کے تحت اس نے وہ اقدام کیا ہے ؟ اور دوسرے اس اعتبار سے کہ خارج میں اس کا ظہور کس طرح ہوا اور دوسروں کے سامنے اس کی کیا صورت آئی اور انہوں نے اس سے کیا تأثّر لیا ۔ راقم الحروف نے جو رائے "تحریکِ جماعتِ اسلامی" کے دیباچے میں ظاہر کی ہے یعنی یہ کہ :

> "اس معاملے میں سارا الزام میں جماعت کے متعلّقین ہی کو نہیں دیتا ۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی غالب اکثریت کے سامنے نہ صرف یہ کہ اختلاف کی صحیح نوعیت اپنی اصل صورت میں کبھی نہیں آئی بلکہ اہلِ اختلاف نے اظہارِ اختلاف کا جو طریقہ اختیار کیا اس کی بھی جو صورت ان کے سامنے آئی وہ بظاہر بہت بھونڈی اور ناقابلِ فہم تھی ۔۔ ۔۔ ۔۔"

تو ظاہر ہے کہ یہاں گفتگو صرف مؤخر الذکر اعتبار سے ہو رہی ہے ! اس پر بھی اگر خفگی کا اظہار کیا جائے تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؎

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ہیں ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند !

مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"تحریکِ جماعتِ اسلامی" پر تبصرہ

جماعتِ اسلامی کے بارے میں تنقیدی لٹریچر کی کافی تعداد منظرِ عام پر آچکی ہے۔ اس میں سے بیشتر حصہ تو ان حضرات کا تحریر کردہ ہے جو جماعت سے باہر تھے اور انہوں نے مودودی صاحب و جماعت کے دیگر اہلِ قلم کی تحریرات سے اُن کے افکار و نظریات اور اندازِ کار کو سمجھا اور اُن کی غلطیاں بیان کیں۔ بقیہ حصہ ایسے حضرات کا ترتیب دادہ ہے جو سالہا سال جماعت کے سرگرم کارکن اور معاون رہے بلکہ اعلیٰ عہدیدار رہے ہیں اور بالآخر شدید اختلافات کی بنا پر جماعت سے مستعفی ہوتے ہیں۔ ان علیحدہ ہونے والے حضرات نے وجوہ اختلافات کے اظہار میں زیادہ تر اخباری بیانات اور چند مضامین کی ترقیم پر ہی اکتفا کیا تھا۔ البتہ تفصیل کے ساتھ باقاعدہ صورت میں اولاً وحیدالدین خانصاحب نے "تعبیر کی غلطی" کے نام سے ایک مفصل کتاب میں مودودی صاحب اور جماعت کے افکار کا گہرا جائزہ لیا اور ثانیاً اب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب میں جماعتی افکار اور پالیسیوں کا تجزیہ کیا ہے۔

یہ دونوں حضرات جماعت سے گہرا تعلق رکھنے والوں میں سے تھے اول الذکر جماعتِ اسلامی ہند کے اعلیٰ حلقے سے متعلق تھے اور ثانی الذکر جماعت اسلامی پاکستان کے سرگرم کارکن تھے۔

جناب وحیدالدین خانصاحب کی کتاب "تعبیر کی غلطی" نے مودودی صاحب اور جماعت کے افکار و نظریات کے بنیادی نقص و کجی پر سے پردہ اٹھایا تھا اور اس تفصیل و تحلیل کے ساتھ اسے واشگاف کیا تھا کہ جماعت کی طرف سے ابھی تک اُس کی تردید یا صفائی میں کوئی جوابی بیان نہیں آیا حالانکہ جماعت اور اس کے ترجمان نہایت ادنیٰ اور معمولی معمولی اعتراضات یا اختلافات پر بھی لمبے لمبے اور متعدد جوابات لکھنے کے عادی ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تازہ ترین کتاب "تحریک جماعت اسلامی" نے اس امر پر بحث کی ہے کہ جماعتِ اسلامی کی تقسیمِ ہند سے قبل کی پالیسی کچھ اور تھی اور تقسیم ہند سے بعد کی پالیسی کچھ اور ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ جماعت اسلامی قبل تقسیم ہند قطعی اور چیز تھی اور جماعت اسلامی بعد تقسیم ہند بالکل اور ہی چیز بن گئی ہے۔ درحقیقت جماعت اسلامی پاکستان سے علیحدہ ہونے والے تمام ہی افراد کی اصل وجہ اختلافات یہ ہی تھی کہ جماعت اب اس پالیسی سے قطعی دور چلی گئی ہے جو اس کے قیام و تاسیس کی اصل بنیاد و محرک تھی اور جس پر وہ ۱۹۴۷ء تک عامل رہی۔ مولانا اصلاحی صاحب، حکیم

عبدالرحیم صاحب اشرف، عبدالجبار صاحب غازی، شیخ سلطان احمد صاحب، مولانا عبدالغفار حسن صاحب، سعید ملک صاحب اور جماعت اسلامی کے دوسرے مقتدر افراد جن میں سے بعض جماعت کے امیر اعلیٰ بھی رہے، بعض اعلیٰ عہدہ دار بھی رہے، بعض مجلس شوریٰ کے اہم ارکان بھی رہے اور جماعت کے آغازِ عمر سے اس کے سنِ بلوغ تک نشو و نما میں جن کا اہم ترین حصہ رہا، جو صاحبِ علم و فضل بھی تھے، اربابِ دانش بھی تھے، اصحابِ قلم بھی تھے ان سب نے ہی جماعت سے علیحدہ ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہی ظاہر کی کہ جماعت نے اپنی پالیسی یک قلم بدل ڈالی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اس کتاب نے ان سب حضرات کے اسی نقطۂ نظر کو پورے شرح و بسط اور استدلال کے ساتھ واضح کر دیا ہے اور یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ واقعی جماعت اسلامی قبل تقسیم ہند کی پالیسی کچھ اور تھی اور جماعت اسلامی بعد تقسیم ہند کی پالیسی کچھ اور ہو گئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی کتاب کا یہ افادی پہلو تو اب کوئی حقیقت نہیں رکھتا کہ اسے پڑھنے اور اس پر غور کرنے کے بعد جماعت اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائے گی اور اپنی پالیسی میں اصلاح کر لے گی۔ اس لئے کہ اول تو جماعت اپنے مزاج و عمل اور اپنی موجودہ صف بندی و قائدانہ اثر کے اعتبار اس مقام سے بہت دور جا چکی ہے جہاں افہام و تفہیم سودمند ہوا کرتے ہیں۔ ثانیاً جماعت سے علیحدہ ہونے والے مقتدر افراد سالہا سال تک جماعت کے اندر ہزار جتن کر کے اپنی اس طرح کی کوششوں کا حشر دیکھ چکے ہیں۔ جماعت کے امیر اور ان کے حامی افراد نے ان تمام افراد کی اس بات کو تسلیم کرنے سے شد و مد کے ساتھ انکار جاری رکھا۔ اس انکار کی پشت پر خاص طور پر ان اصحاب کا بھی ہاتھ کارفرما رہا جو اگرچہ رسمی و آئینی طور پر تو جماعت سے متعلق نہیں ہیں لیکن پس پردہ جماعت کی بدلتی ہوئی ہر تان کے پیچھے ان کی تال کام کرتی رہتی ہے۔ مودودی صاحب کی ماچھی گوٹھ کی سات گھنٹے کی تحریری تقریر نے اس کشمکش اور درپردہ اثرات کے بطن سے جنم لیا تھا۔ ویسے مودودی صاحب کے لئے یہ کچھ زیادہ مشکل بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی جماعت کے عام ارکان اور متفقین وغیرہ کو یہ باور کرا دیں کہ جماعت کے موقف و پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے کہ ان کا بھاری بھرکم لٹریچر اتنی گوناگوں اور متنوع تحریرات کا حامل ہے کہ اس میں سے ہر دعوے کے لئے حسب موقع اثباتی یا تردیدی پہلو اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

البتہ ڈاکٹر صاحب کی کتاب کی حیثیت جماعت کے بارے میں ایک تاریخی دستاویز کی ضرور ہے جس کے آئینے میں دینی تحریکات اور جماعتی سیاسیات کا طالب علم موجودہ جماعت اسلامی اور جماعتِ اسلامی مرحوم کے حقیقی خد و خال کی ایک جھلک دیکھ سکتا ہے اور اندازہ کر سکتا ہے کہ

چند افراد کے بدلتے ہوئے افکار و نظریات کے زیر اثر ایک تنظیم کیا سے کیا بن کر رہ گئی ہے۔

جماعت کے موجودہ احوال و شئون دیکھ کر یہی کہنا پڑتا ہے کہ جماعت اسلامی قبل تقسیم ہند محض ایک تنقیدی ادارہ تھا جو اپنی پیش رو اور معاصر تنظیموں و تحریکوں کو ہر سمت سے ہدفِ اعراض بنائے رکھنے کے لئے وجود میں لایا گیا تھا۔ اور اس کی یہ کوشش بظاہر کامیابی سے ہمکنار ہوتی نظر آتی تھی۔ لیکن جیسے ہی خود اس ادارے نے عملی جدوجہد کا میدان سامنے پایا اور مواقع سے فائدہ اٹھانے کی تابندگی نے اس کی نگاہوں کو خیرہ کیا تو اس نے بھی وہی لباس پہننے شروع کر دیئے جسے معاصر تنظیموں کے جسم پر دیکھ کر وہ تبرّا الزنار رہا تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتاب نے اس حقیقتِ تلخ بلکہ ٹریجڈی کو بالکل فاش کر کے رکھ دیا ہے۔

ان کی یہ کتاب جماعتِ اسلامی پاکستان کے بارے میں ایک ایسی شہادت کا درجہ رکھتی ہے جس سے خود جماعتی حلقوں کو معقولیت پر مبنی انکار کی جرأت بمشکل ہو سکے گی اور غیر جانبدار حلقوں کے لئے عبرت و بصیرت کا ایسا سامان اس میں ملے گا جس کی روشنی میں وہ مدعیانہ تحریکوں و تنظیموں کی اصل حقیقت کا پورا پورا اندازہ کر سکیں گے۔ اس حیثیت سے ہم اس کتاب کی اشاعت پر ڈاکٹر صاحب کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اگرچہ اس کتاب کے بعض مقامات ہمارے نقطۂ نظر کے حامل نہیں ہیں تاہم مجموعی طور پر اپنے موضوعِ بحث کی مناسبت سے یہ نہایت جامع اور مکمل کتاب ہے۔

اگرچہ جس گروہ کو مخاطب کر کے جن حالات اور جن آرزوؤں کے ساتھ اس کتاب کے مندرجات معرضِ تحریر میں لائے گئے تھے اب وہ گروہ سیاست کی ان وادیوں میں پہنچ گیا ہے جہاں اس سے پہلے کتنے ہی قافلے سرگرداں ہو کر گم ہو چکے ہیں اور وقت کے وہ امید افزا حالات بھی یکسر بدل چکے ہیں جن کے بل پر مرتبِ کتاب اپنی آرزوؤں کا چمن اجڑنے سے بچانا چاہتے ہیں۔ تاہم ماضی خواہ کتنا ہی کہنہ ہو گیا ہو اور حال سے کتنا ہی غیر آہنگ نظر آتا ہو اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ تجربہ بھی مستقبل کے لئے سبق آموز ہوتا ہے اور نئے قافلوں کے لئے ان کے نئے اسفار اور نئی منازل کی جستجو میں قیمتی معاونت کا کام دے سکتا ہے۔

البتہ اس سلسلۂ بحث میں فاضل مرتبِ کتاب نے چند ایسی اہم باتیں نظر انداز کر دی ہیں جن کے بغیر ان کی گفتگو تشنہ و نامکمل سمجھی جائے گی اور ان باتوں کے عدم ذکر سے جماعت کے غالی افراد مرتبِ کتاب کے اس دعوے کو رد کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ جماعت جس پالیسی پر آج گامزن ہے وہ ۱۹۴۷ء سے قبل کی پالیسی کے برعکس ہے۔ حالانکہ پالیسی کے اس تغیر کا خود امیر

جماعت نے اپنی ایک تحریر میں دبے لفظوں کے ساتھ بالواسطہ اعتراف کیا ہے۔ اس اعتراف کے ذکر سے ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب کو بہت زیادہ مدلل بنا سکتے تھے جس کے انکار کی جرأت جماعت کے حامیانِ چست کو بھی نہ ہو سکی۔

یاد کیجئے کہ ماچھی گوٹھ کے منعقدہ اجتماع سے قبل ترجمان القرآن دسمبر ۵۶ء کے شمارے میں "جماعتِ اسلامی کے موقف اور طریقِ کار کے متعلق بعض اہم توضیحات" کے عنوان سے ایک سائل کے استفسارات کا جواب تحریر کرتے ہوئے مودودی صاحب نے لکھا تھا کہ:

> "اس معاملے میں صرف نظریت کام نہیں دیتی بلکہ اس کے ساتھ عملی حکمت ناگزیر ہے۔"

اور پھر آگے چل کر اصولوں میں لچک کی گنجائش نکالنے اور تغیر کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے کھل کر یہ کہہ دیا تھا کہ:

> "ایک اصول کو قائم کرنے پر ایسا اصرار جس سے اس اصول کی نسبت بہت زیادہ اہم دینی مقاصد کو نقصان پہنچ جائے حکمتِ عملی ہی نہیں حکمتِ دین کے بھی خلاف ہے۔"

ظاہر ہے کہ اس تحریر کا مقصد تبدیلی کے لئے نظریہ حکمتِ عملی کو بنیاد بنا کر وجہ جواز فراہم کرنا تھا جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جماعت کے امیر کو جماعت کے اصول و پالیسی کے "تغیر" کا تو اعتراف ہے، البتہ وہ اسے حکمتِ عملی کا نام دے کر اپنے مقاصد کے سفر کا ایک ناگزیر موڑ باور کرانا چاہتے ہیں۔

پھر جب اس نظریہ حکمت عملی اور اصولوں میں لچک نکالنے کی گنجائش کے مسئلے نے ایک ملک گیر بحث کی صورت اختیار کی اور مختلف حلقوں کی طرف سے اس پر لے دے ہوا اعتراضات ہوئے تو اس کے جواب میں جماعت اور امیر جماعت کی طرف سے کبھی اس کا انکار نہیں کیا گیا بلکہ برابر اس بات پر ہی اصرار کیا جاتا رہا کہ اصولوں میں تغیر استثنا۔ اور لچک شرعاً جائز اور صحیح ہے۔

اس پوری تفصیل کا ذکر ڈاکٹر صاحب کو اپنی کتاب میں ضرور کر دینا چاہیئے تھا نیز یہ کہ فاضل مرتب کو چاہیئے تھا کہ جماعت سے علیحدہ ہونے والے مقتدر افراد سے جن کی حیثیت جماعت کے موسسین و سابقین الاولین کی تھی، ایسے توضیحی بیانات لے کر شامل کتاب کر لیتے جن سے اس طویل کشمکش کے پورے پس منظر پر روشنی پڑ سکتی جو ۵۶ء سے ہی اندرونِ خانہ امیر جماعت اور ان حضرات کے درمیان برپا ہو گئیں تھیں۔ اس طرح پالیسی کے تغیر و تبدیلی کے اہم حادثے کی یہ روداد محض صاحب کتاب کے تاثرات کی حد تک ہی نہ رہتی بلکہ عینی شہادتوں کا ایک مستند وثیقہ بھی بن جاتی۔ مثلاً مجلسِ شوریٰ کے ایک بزرگ ترین رکن کا ایک بیان ہے جس سے مودودی صاحب کے قائم کردہ نظریۂ

حکمت عملی کی حقیقت پر بڑی اچھی روشنی پڑ سکتی ہے کہ جب ملک میں مرزائیوں کے خلاف تحریکِ ختم نبوت کا آغاز ہوا تو جماعت اسلامی کی مجلسِ شوریٰ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اس تحریک میں عملاً کوئی حصہ نہ لے لیکن جب جماعت کے حلقہ جاتی امرا کا اجتماع منعقد ہوا تو جماعت کے امیر جناب مودودی صاحب نے ان کو ہدایات دیں کہ اب جتنی بھی آگ بھڑکائی جا سکتی ہے بھڑکاؤ۔ اس پر ان بزرگ رکن شوریٰ نے اعتراض کیا کہ یہ ہدایات مجلس شوریٰ کے فیصلے کے قطعی خلاف ہیں تو انہیں حکمۃً خاموش کر دیا گیا اور پھر جب تحقیقاتی عدالت کے سامنے مودودی صاحب نے اپنا بیان دیا تو اس میں صاف طور پر یہ کہا گیا کہ جماعت نے عملاً اس تحریک میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ یہ ہے نظریۂ حکمت عملی کی ایک عملی مثال جس کے شاہد ایک سابق بزرگ ترین رکن شوریٰ ہیں۔

اس طرح کی متعدد باتیں جماعت کے سابق ارکانِ شوریٰ و اعلیٰ عہدیداران سے معلوم کر کے شامل کتاب کی جاتیں تو کتاب کا وزن اور قدر و قیمت کہیں زیادہ بڑھ جاتی۔

جماعت کی طرف سے نظریۂ حکمت عملی کی واضح تردید کے بغیر مرتب کتاب کی یہ خوش فہمی بھی عبث ہے کہ ان کی اس کتاب سے جماعت کے معقولیت پسند افراد یہ تسلیم کر لیں گے کہ جماعت کی موجودہ پالیسی سابقہ پالیسی کے قطعی متضاد ہے اور وہ اس کی اصلاح پر آمادہ ہو جائیں گے دراں حالیکہ وہ بیچارے تو حکمتِ عملی کے پُل پر سے گزر کر اب یہ باور کئے بیٹھے ہیں کہ جماعت کی راہ میں پالیسی کی تبدیلی کا کوئی موڑ آیا ہی نہیں۔

اس کے علاوہ فاضل مصنف کا کتاب کی تاخیرِ اشاعت پر یہ کہنا کہ اس وقت فضا تلخ تھی اور جماعت سے باہر آنے والے حضرات نے ایسی روش اختیار کر لی تھی جو مناسب نہیں تھی اس لئے کتاب کی اشاعت کو معتدل حالات کی واپسی تک کے لئے مؤخر کیا جاتا رہا صورتِ حال کی صحیح عکاسی نہیں ہے۔

دنیا کو تو جماعت سے باہر آنے والوں سے اب تک یہ شدید گلہ ہے کہ انہوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ جماعت سراسر راہِ حق سے ہٹ گئی ہے اور موقع پرستانہ سیاست میں ملوث ہو گئی ہے اس امر کے اظہار میں غیر معمولی تاخیر سے کام لیا اور یکے بعد دیگرے علیحدہ ہو جانے کے بعد بھی اپنے بیانات میں ایسے اجمال سے کام لیا کہ ان کی علیحدگی کے بارے میں جماعت

کے خالی افراد کو من مانی غلط فہمیاں پھیلانے کا موقع ملتا رہا۔ حالانکہ یہ حضرات اپنی اس علیحدگی کو حق و باطل کے درمیان دو ٹوک فیصلہ بنا کر ظاہر کر سکتے تھے لیکن انہوں نے بے جا لحاظ و رعایت کو اخیر تک اپنائے رکھا۔

جماعت سے علیحدہ ہونے والوں[1] کے بارے میں یہ تاثر دینا کہ ان کی روش نامناسب یا بھونڈی تھی۔ مرتبِ کتاب کی یا تو انتہائی سادگی ہے، یا واقعات سے لاعلمی پر مبنی ہے۔ جماعت سے علیحدہ ہونے والوں کے ساتھ علیحدہ ہونے سے پہلے اندرونِ جماعت جو کچھ ہوتا رہا، اس پر اگر خاک ڈال دی جائے تو بھی جماعت سے علیحدہ ہونے کے بعد نجی مجالس سے لے کر بعض جماعتی جرائد تک میں جس افسوس ناک طریق پر ان کے خلاف نفرت انگیز پروپیگنڈا کیا جاتا رہا۔ اسے ہرگز نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیئے تھا۔ حیرانی ہے کہ فاضل مرتبِ کتاب اس پروپیگنڈے سے کیسے قطعی بے خبر رہ گئے۔

مشتے نمونہ از خروارے ـــــ جماعت کے ایک اہل قلم نے جماعت سے متعلق ایک ماہنامے میں شرفو وغیرہ ـــــ کے طنزیہ فقروں کے ساتھ ـــــ ایک ڈرامے کی صورت میں جن کرداروں کا ذکر کیا تھا، غور فرمائیے، کہ ان کا ہدف کون لوگ بنائے گئے تھے۔ یہ رویّہ تو پریس کے اندر تھا لیکن پرائیویٹ طور پر دھمکیوں اور مغلظات سے لبریز جو خطوط مولانا امین احسن صاحب اصلاحی وغیرہم کو موصول ہوتے رہے ان کی داستان تو کہیں زیادہ تلخ و المناک ہے۔

مولانا اصلاحی صاحب کو یہاں تک لکھا گیا کہ تم مولانا مودودی صاحب سے حسد کرتے ہو۔ اچھا ہم تمہیں اس حد تک جلائیں گے کہ اگر خدانخواستہ آج مولانا مودودی صاحب فوت ہو جائیں تو ہم ان کا ایک عالی شان مقبرہ بنا کر کھڑا کریں گے تاکہ تم اسے دیکھ دیکھ کر اور جلتے رہو۔

حکیم اشرف صاحب کو ایک ضلع سے یہ تہدید آمیز خط ملا کہ اگر تم ہمارے علاقہ میں آجاتے تو تمہیں قتل کر دیا جاتا۔

---

[1] یاد رہے کہ جماعت سے نکلنے والوں میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب اور مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نمایاں شخصیتوں میں سے تھے اور ڈرامے میں مذکور تعریفی ناموں کی زد کا دائرہ ان تک ممتد ہوتا تھا۔

اسی پر بس نہیں کیا گیا۔ بلکہ مولانا اصلاحی صاحب کے مکان پر پہنچ کر ان سے رُو در رُو بد کلامیاں کی گئیں۔ ان تمام تحریری و تقریری کارگزاریوں کے مقابلے میں جماعت سے علیحدہ ہونے والوں کا صرف اتنا گناہ تھا کہ انہوں نے بعض گفتگوؤں میں مولانا مودودی صاحب کے موقف کی غلطیاں واضح کی تھیں۔ بعض نے اپنی علیحدگی کے وجوہِ اختلاف پر مشتمل بیانات پریس میں دے دیئے اور بعض نے ان کے جدید غلط نظریات کا تحریری و تقریری ردّ کیا۔

ہاں اس سے مشتعل ہو کر جب جماعت کے لیڈروں نے مستعفی ہونے والوں کو آڑے ہاتھوں لیا تو اس پر ضرور گرم بحثیں شروع ہو گئیں اور پھر ان لوگوں نے بھی جوش میں آکر ترکی بہ ترکی جواب دے دیئے۔ اس ذرا سی بات کو جماعت سے نکلنے والوں کا جرم قرار دے دینا اور زیادتی کرنے والوں میں ان کا شمار کر ڈالنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔

کیا فاضل مرتبِ کتاب چاہتے تھے کہ نکلنے والے قطعی خاموش ہو کر بیٹھ رہتے اور جس چیز کو انہوں نے باطل، غلط اور خلافِ اسلام سمجھا تھا اس کا ذکر کسی مجلس یا اپنی کسی تحریر میں ہرگز نہ کرتے؟

اگر خدانخواستہ وہ اس طرح کی خاموشی اختیار کر لیتے تو ان کا یہ رویّہ خدا اور رسولؐ کی نظر میں بھی، اور ملّت کی نگاہوں میں بھی خیانت و مداہنت اور بدترین جرم کے مترادف سمجھا جاتا۔

اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ جماعت سے علیحدہ ہونے والے عموماً ہر شخص نے ابتداً اپنے وجوہِ اختلاف کے اظہار میں جس متانت و نرمی کا ثبوت دیا اس کی مثال کم ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ افسوس ہے کہ فاضل مرتبِ کتاب نے ایک نہایت قدر و قیمت کے لائق بات کو ناکارہ و عبث قرار دے دیا ہے۔

مصنفِ محترم کے آخری مندرجات "تبدیلی کیوں" سے بھی ہمیں شدید اختلاف ہے جس پر ہم آئندہ اظہارِ خیال کریں گے۔

(۲)

[مولانا ابو منظور شیخ احمد صاحب نے اپنے مندرجہ ذیل طویل مکتوب میں بعض انتہائی اہم مسائل پر بحث کی ہے ان سب میں ہمارا ان کی رائے سے کلیۃً متفق ہونا ضروری نہیں - خصوصاً جماعتی زندگی کی اہمیت کے بارے میں ان کی اس قطعی رائے سے کہ " نہ جماعتی شکل میں کوئی کام کرنا غلط ہے اور نہ جماعت کے بغیر کسی زندگی کو جاہلی زندگی سمجھنا اور کہنا درست ہے" مجمل اتفاق کے باوجود ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان دونوں انتہاؤں کے مابین فاصلہ بہت زیادہ ہے اور اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس سوال کا متعین جواب دیا جائے کہ اسلام کی رو سے جماعتی زندگی کی فی الواقع اہمیت کیا ہے ؟ اس معاملے میں ہم فی الحال اپنی رائے کے اظہار کے بجائے قارئین میثاق کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے خیالات ظاہر فرمائیں -

رہا جماعت اسلامی ہند کے بارے میں مولانا کے خیالات کا معاملہ تو اس سلسلے میں ہمیں تسلیم ہے کہ ہم وہاں کے صحیح حالات سے باخبر نہیں ہیں - ہو سکتا ہے کہ جناب وحید الدین خانصاحب نے وہاں کے حالات سے زیادہ تاثر لیا ہو لیکن ان کی اصل گرفت مودودی صاحب کے تصور دین پر ہے اور اس کا عملی اثر اس مسئلے پر مترتب ہوتا ہے کہ دین کا اصل تقاضا ایک مسلمان سے کیا ہے اور اس اعتبار سے ہم ان کے تحقیقی سفر کی ابتدا اور اس کے رخ کو صحیح سمجھنے کے باوجود ان کے موقف کو مقام عدل سے ہٹا ہوا محسوس کرتے ہیں - مدیر]

باسمہٖ سبحانہٗ

ویگلور ضلع ناندیڑ دکن (بھارت) ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۰/ اگست

مکرمی و محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - آپ کی کتاب نظر نواز ہوئی اور میں نے دوسری چیزوں کا مطالعہ منقطع کر کے اسے شروع کیا اور دوسرے دن ختم کر دیا - چاہتا تھا کہ اسی وقت یہ عریضہ لکھوں لیکن دوسری مصروفیات میں گم ہو گیا اور اس طرح ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بیت گیا - اتفاق کی بات یہ کہ جس دن اس کتاب کا مطالعہ ختم کر کے کتاب ہاتھ سے رکھی اسی دن اسی وقت ماہ رواں کا "فاران" مل گیا اور اسے کھولتے ہی پہلی ہی نظر میں اس کتاب پر تبصرہ سامنے آگیا - چونکہ یہ بات پہلے ہی سے معلوم تھی کہ تبصرہ کیا ہوگا اسلئے اسی وقت اسے پڑھ ڈالنے کے لئے دل نے کشش نہیں کی - پھر جب "فاران" کے مضامین پڑھنے کی نوبت آئی تب اسے پڑھا اور وہی کچھ پایا جو توقعات کے عین مطابق تھا - اس میں کوئی بات قابل لحاظ نہیں پائی - لوگ بہت حیران و پریشان ہوں گے کہ نیک نیتی کے ساتھ جماعت اسلامی سے اختلاف کرنے والے اور نہایت وقار اور سنجیدگی کے ساتھ مدلل تنقید کرنے والے بھی اگر اسی صف میں ہیں جس صف میں بدنیتی سے اختلاف کرنے والے اور بے ڈھنگے طریقے سے تنقید کرنے والے بیٹھے ہیں تو

آخر کیا کیا جائے؟ کیا جماعت اسلامی اور اس کی تحریک کو تنقید و اختلاف سے اسی طرح بالاتر سمجھ لیا جائے جس طرح نصوص کتاب و سنت کو اس سے بالاتر ماننا ضروری ہے؟ کیا جماعت اسلامی (معاذ اللہ) کسی نبی کے زیر قیادت منظم ہوئی ہے کہ اس سے اختلاف کرنا وہی معنی رکھتا ہے جو اجماع صحابہ سے اختلاف کرنے کے معنی ہوا کرتے ہیں؟ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جماعت اسلامی تو اپنے حلقے سے باہر کے تمام گروہوں اور تمام شخصیتوں پر سخت سے سخت تنقید کر سکتی ہے اور برابر کرتی آئی ہے لیکن خود اس پر کوئی کتنی ہی عادلانہ تنقید کرے اس کے لازماً یہی معنی ہوا کرتے ہیں کہ اس سے دین کا محاذ کمزور ہوتا ہے اور دین کے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط ہوتے ہیں؟ کیا دین کی خدمت، اشاعت، اقامت اور دعوت و تبلیغ کی تنہا اجارہ دار جماعت اسلامی ہی ہے کہ اس کی طرف ذرا سی انگلی اٹھا دینے کے معنی یہ ہیں کہ اس سے راست دین پر حرف آتا ہے؟ یہ اور اسی قبیل کے نہ معلوم کتنے سوالات پیدا ہو ہو کر لوگوں کو پریشان کرتے ہوں گے اور وہ حیران ہو ہو کر پوچھتے ہوں گے کہ "پس چہ باید کرد"؟ لیکن مجھے اس معاملے میں کبھی کوئی حیرانی پیش نہیں آئی اور میں کبھی متعجب نہیں ہوا۔ جو طرز فکر جماعت اسلامی نے اپنایا ہے اور جس کے زیر اثر اس کے حامی اور پیرو اصحاب سوچا، بولا اور لکھا کرتے ہیں وہ خود سب کے سامنے ہے پھر اس پر تعجب کیوں اور حیرانی کس لئے؟ مولانا مودودی کی ۲۳ر دسمبر والی تحریر جو آپ نے ماہ رواں کے "میثاق" میں نقل کی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں۔

> "میں یہ رائے تو قطعاً نہیں رکھتا بلکہ مجھے اس کا شبہ بھی نہیں ہے کہ جائزہ کا یہ پورا کام اور مجلس شوریٰ میں جائزہ کمیٹی کے ارکان کا کردار ایک دانستہ سازش کا نتیجہ تھا لیکن میرا احساس یہ ہے کہ اس سے عملاً نتائج وہی برآمد ہوتے ہیں جو ایک دانستہ سازش سے برآمد ہو سکتے تھے"۔

آگے چل کر اس احساس کو انہوں نے پھر یوں دہرایا ہے۔

> "اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ چال چلنے کا ارادہ کیا گیا تھا یا نہیں مگر مجلس شوریٰ کو اور خود مجھے جس صورت واقعی سے دوچار ہونا پڑا وہ یہی تھی اور اس کا اثر ایک دانستہ سازش سے کچھ بھی مختلف نہ تھا"۔

اب آخر تعجب کا کیا مقام ہے اگر ان کے پیرو اور حامی اسی طرز فکر کے زیر اثر بولا اور لکھا کریں۔

جماعت سے تعلق رکھنے والے لوگ یا اس سے دور بیٹھے محض اس کی تائید و حمایت کرنے والے اصحاب تسلیم کریں یا نہ کریں، امور واقعیہ اپنی جگہ امور واقعیہ ہی ہیں۔ ان امور کا انکشاف و اظہار علمی، اخلاقی اور دینی فریضہ ہے اور جو لوگ اس کی ادائی کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ برابر اسے ادا کرتے چلے جائیں۔ اگر جماعت اسلامی کے لوگ اپنا طرز فکر نہیں بدلتے اور آپ کی دعوت اصلاح کو قبول نہیں کرتے تو وہ اپنی فہم و فکر کے مالک اور اپنے طریق کار میں آزاد

ہیں۔ اس سے آپ کی ذمہ داریوں میں تو کوئی کمی نہیں ہوتی۔ آپ کے اپنے علم اور تجربہ کی روشنی میں دین نے جو ذمہ داریاں آپ پر ڈالی ہیں انہیں ادا کرتے رہیے آپ کو اس بات سے بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ فرطِ رنج والم کے باعث یا خرابیوں کی شدت کا احساس دلانے کے لئے آپ کے طرزِ اختلاف اور اندازِ تنقید میں سختی اور درشتی پیدا ہو جائے گی تو جماعت اسلامی کے لوگ آپ کو بدنیت مخالفین میں شامل کر دیں گے جب وہ نیک نیتی اور اصلاح کا کھلا کھلا اعتراف کرنے کے باوجود آپ کو بدنیت مخالفین و معاندین کی صف میں لے جاکر بٹھا دیتے ہیں تو نیتوں کا معاملہ تو اللہ ہی پر چھوڑیئے بس کام وہ کیجئے جو وقت اور ضرورت کا تقاضا ہے تنقید و اختلاف کو جو معنی وہ پہنانا چاہیں پہنائیں۔ دین کی تعلیمات کے اندر تنقید و اختلاف کے حدود کو پیش نظر رکھیئے اور ان تمام امور پر بولتے اور لکھتے جایئے جو یا تو دین کی تعلیمات سے ٹکراتے ہیں یا دین کی مجموعی تعلیمات سے میل نہیں کھاتے۔

خیال تھا کہ تحریکِ جماعت اسلامی حصہ دوم کے لکھنے میں کچھ وقت لگے گا کیونکہ اب آپ نے "میثاق" کی ادارت کی ذمہ داری بھی اٹھائی ہے لیکن یہ اچھا ہوا کہ آپ نے "میثاق" ہی میں اس کتاب کے لکھنے کا آغاز کر دیا ہے لیکن یہ مزید عرض کروں گا کہ رسالے میں اس کتاب کی صرف ایک ہی قسط دیا کیجئے۔ خصوصیت سے "تذکرہ و تبصرہ" کے قلم پاروں کو اس بحث سے آلودہ نہ کیجئے ورنہ ایک طرف رسالے کی اشاعت کا دائرہ بالکل محدود ہو کر رہ جائیگا اور دوسری طرف بہت سے دینی و سیاسی مسائل پر اظہارِ خیال کے لئے رسالے میں جگہ نہ نکالی جا سکے گی۔

آپ نے "تذکرہ و تبصرہ" میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والوں کی ایک جماعتی تنظیم پر جس پہلو سے روشنی ڈالی ہے وہ قابلِ لحاظ ہے لیکن اس کا ایک پہلو وہ بھی ہے جس کا ذکر مولانا اصلاحی نے آج سے چار سال پہلے خود "میثاق" ہی میں فرمایا ہے۔ جولائی و اگست ۱۹۶۲ء کے مشترکہ شمارے میں وہ لکھتے ہیں۔

> ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اس طرح کے اہم مسائل رواروی میں طے کرنے کے نہیں ہوتے۔ جماعتوں کی تنظیم نہ تو کوئی آسان کام ہے اور نہ اس وقت تک یہ مفید ہے جب تک اس کے لئے کوئی شدید ملی ضرورت داعی نہ ہو۔"

پھر چند سطروں کے بعد رقم طراز ہیں۔

> "اگر کسی جماعت کی تشکیل عمل میں آئی تو وہ بہرحال ملت کی کسی اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے عمل میں آئے گی اور اسلام کی کوئی ضرورت انجام دیگی اس کے قیام سے مقصود نہ تو یہ ہو سکتا کہ قائم شدہ جماعتوں میں ایک اضافہ کیا جائے اور نہ کسی کی بے فائدہ مخالفت یا موافقت۔"

اس سلسلے میں مولانا مودودی کے خیالات بھی پیش نظر رکھیئے ۔ جماعت اسلامی کے قیام سے پہلے ماہِ شعبان ۱۳۵۸ھ مطابق اکتوبر ۱۹۳۹ء کے ترجمان القرآن میں وہ لکھتے ہیں :۔

> " انجمن بازی کی ضرورت نہیں ہے کوئی علیحدہ نام رکھ کر کام کرنا بجائے مفید ہونے کے مضر ہوتا ہے کیونکہ اس سے غیر شعوری طور پر لوگوں میں یہ ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اسلام میں نہیں بلکہ فلاں نام کی جماعت میں داخل ہو رہے ہیں ۔"

لیکن جب جماعت اسلامی قائم ہو گئی تو جمادی الاولی ۱۳۶۰ھ مطابق اپریل ۱۹۴۱ء کے ترجمان القرآن میں وہ " اسلام بلا جماعت " کے زیر عنوان لکھتے ہیں ۔

> " صحیح اسلامی زندگی بغیر جماعت کے نہیں ہوتی ۔"

اور یہ کہ " جماعت کے بغیر زندگی کو صحیح اسلامی زندگی سمجھنا بالکل غلط ہے ۔"

اور یہ کہ " ہم اسکو کم از کم نیم جاہلیت کی زندگی سمجھتے ہیں ۔"

ان خیالات پر آپ جو رائے چاہیں قائم کریں ۔ اس عاجز کے نزدیک تو یہ خیالات کھلی کھلی افراط و تفریط پر مبنی ہیں ۔ میری سوچی سمجھی اور قطعی رائے یہ ہے کہ نہ جماعتی شکل میں کوئی کام کرنا غلط ہے اور نہ جماعت کے بغیر کسی زندگی کو جاہلی زندگی سمجھنا اور کہنا درست ہے ۔ جو لوگ کسی جماعتی شکل میں کام کر رہے ہیں ان کو یہ سمجھنے اور کہنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ اس جماعت سے باہر جو لوگ ہیں (خواہ وہ پہلے ہی سے باہر ہوں یا اب باہر ہوتے ہیں) وہ جاہلیت یا نیم جاہلیت کی زندگی گزار رہے ہیں ۔ جو لوگ جہاں اور جس شکل میں دین کی چھوٹی یا بڑی خدمت کرتے ہیں وہ آخر دین ہی کے خادم ہیں اور ان کی زندگی باختلافِ مراتب اسلامی زندگی ہی ہے خواہ وہ کسی جماعتی نظم سے منسلک ہوں یا نہ ہوں اگر وہ کسی جماعت سے منسلک نہ ہوں تب بھی امت اسلامیہ محمدیہ سے ان کا انسلاک ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے جب تک ان سے کفر و ارتداد سرزد نہ ہو اس اصل جماعت سے ان کا رشتہ کوئی نہیں توڑ سکتا ۔

آپ نے یہ بالکل درست لکھا ہے کہ اگرچہ جماعت اسلامی کی تشکیل ۱۹۴۱ء میں ہوئی لیکن یہ جن افکار و نظریات پر قائم ہوئی ہے وہ اپنی جامع اور واضح شکل میں سیاسی کشمکش حصہ سوم کے مضامین کے ذریعہ سامنے آتے ہیں ۔ چونکہ جماعت اسلامی کی تشکیل کے بعد ۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۱ء تک کے مضامین کو مختلف کتابوں کی شکل میں مرتب کر کے ان کو جماعت کی مطبوعات میں شامل کر دیا گیا ہے اس لئے مولانا مودودی نے اس تحریک کا آغاز ۱۹۳۳ء سے (یعنی اس وقت سے جبکہ انہوں نے حیدر آباد دکن سے "ترجمان القرآن" جاری کیا) قرار دے دیا حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ سیاسی کشمکش حصہ سوم کے مضامین لکھنے سے پہلے جماعت، جماعتی تنظیم اور جماعتی تشکیل کا

انہیں کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ اس سلسلۂ مضامین کے خاتمہ پر جماعت اسلامی کی تشکیل کا خاکہ سب سے پہلے انہوں نے محرم ۱۳۶۰ھ (مطابق مارچ ۱۹۴۱ء) کے پرچے میں پیش کیا اور دوسرے مہینے یعنی صفر ۱۳۶۰ھ مطابق اپریل ۱۹۴۱ء کے پرچے میں اس کی طرف دعوت عام دی۔ اس طرح یہ کہنا امر واقعہ کی بالکل صحیح ترجمانی ہے کہ جماعت اسلامی کی تحریک جن افکار و نظریات پر اٹھائی گئی وہ اپنی جامع اور واضح شکل میں ۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۱ء کے لگ بھگ دور میں سامنے آئے ہیں۔

جہاں تک آپ کے ہاں کی جماعت اسلامی اور اس کے حالات کا تعلق ہے اس کو ہم یہاں صرف چند رسائل و جرائد کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں اسلئے اس کے بارے میں ہماری رائے کا وقیع اور صحیح ہونا ضروری نہیں ہے اس سے عملاً آپ کو اور اس ملک میں رہنے والے کو دوسرے تمام لوگوں کو سابقہ درپیش ہے اس لئے آپ بآسانی اس تحریک کو دو دَوروں میں تقسیم کر سکتے ہیں اور ان کے باہمی تضاد کو علم اور تجربہ دونوں کی روشنی میں واضح کر سکتے ہیں لیکن یہاں کی جماعت اسلامی کو دو دَوروں میں تقسیم کرنا بھی ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کیونکہ تقسیم ملک کے بعد یہاں چھ مہینے تک جماعت اسلامی گوشۂ عدم میں پڑی رہی۔ پھر جب فروری ۱۹۴۸ء میں اس کا احیا کیا گیا تو نہ صرف قیادت بدلی بلکہ افکار و نظریات کے تمام گوشے اور طریق کار کے تمام جزئیات بھی بدل کر کچھ سے کچھ ہوگئے آپ کے ہاں اس تحریک کے دو دَوروں میں کچھ نہ کچھ مناسبت ضرور ہوگی اسی لئے آپ نے ان کا باہمی تضاد واضح کر کے دعوتِ اصلاح دی ہے لیکن یہاں تو دو دوروں کے مابین سرے سے کوئی مناسبت ہی موجود نہیں ہے اس لئے یہاں کسی اللہ کے بندے کو ان کا باہمی تضاد واضح کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ لوگ یہاں کے حالات کو صرف چند رسائل و اخبارات کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں اس لئے جماعتِ اسلامی ہند اور اس کی تحریک کے بارے میں آپ کی رائے کا وقیع اور صحیح ہونا کچھ ضروری نہیں ہے۔ لیکن عملاً جو کچھ ہوتا چلا آرہا ہے اس کی بناء پر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ نئی تحریک ہے۔ دین و اخلاق بیچارے بیچ میں سے صاف اڑ گئے ہیں۔ یہ کہنا سب سے بڑی دھاندلی ہے ... ... کہ یہ وہی جماعت ہے جو ۱۹۴۱ء میں قائم ہوئی تھی۔ یہاں اس کی صحیح ترجمانی یہ ہے کہ یہ ۱۹۴۸ء میں مولانا ابو اللیث کی قیادت میں قائم ہوئی تھی اور آجتک انہی کی قیادت میں قائم ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ شروع شروع میں مولانا مودودی کے بتائے ہوئے لائحۂ عمل پر کام کرنے کا اعلان ہوتا رہا ہے اور ان کی چند کتابیں بھی ناموں اور عبارتوں کی تبدیلیوں کے ساتھ جماعتِ اسلامی ہند کے لٹریچر میں شامل ہیں اس ملک کے اہلِ فکر و نظر طبقے کے لئے سب سے بڑی مشکل یہ درپیش ہے کہ زبانی دعووں کے ساتھ جماعت اسلامی کے طرزِ فکر و عمل اور طریق کار کو کوئی مناسبت نہیں ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ جماعت دراصل ۱۹۴۱ء میں قائم ہوئی تھی اور پورے ربع صدی سے اس ملک میں کام کر رہی ہے

تو لوگ سخت حیران رہ جاتے ہیں اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے آخر کہا کیا جائے؟ سب سے زیادہ نقصان بے چارے سادہ لوح لوگوں کو پہنچتا ہے جو صرف جماعتی اخباروں پر نگاہ رکھتے ہیں یا ۴۱ء تا ۴۷ء کی چند تحریریں پڑھ لیتے ہیں اور کسی نہ کسی تحریک میں حصہ لینے کا شوق انہیں اس تحریک کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ ان حالات میں اگر کبھی ہم جیسا پرانا شخص (جو نہ صرف تحریک جماعت اسلامی کی اگلی پچھلی تاریخ سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے بلکہ جس کی نظر ماخذ دین پر براہِ راست پہنچتی ہے اور جو ملک میں دینی و سیاسی کام کے تمام گوشوں سے بھی واقف ہے)، تحریک کے حسن و قبح اور نشیب و فراز سے واقف کرانے کی کوشش کرتا ہے تو فوراً یہ بات اڑا دی جاتی ہے کہ ارے یہ تو جماعت کے مخالفین و معاندین میں ہے اور اس قسم کی باتوں سے دین کا محاذ کمزور ہوتا ہے۔

آپ نے اپنی کتاب میں وحید الدین خانصاحب کی کتاب "تعبیر کی غلطی" کا ذکر بھی کیا ہے اس پر آپ نے جو رائے ظاہر کی ہے یقیناً مجرد نظری بحثوں کو پڑھ کر یہی رائے قائم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خانصاحب موصوف کو یہاں کے عملی حالات نے بزور طرز فکر و زاویۂ نظر کے خلاؤں کی طرف کھینچا ہے۔ انہوں نے جو بحثیں اٹھائی ہیں ان کا محرک دراصل وہ تکلیف دہ اور افسوسناک عملی حالات ہیں جن سے انہیں گزرنا پڑا ہے۔ جو موضوعات ان کی کتاب میں زیر بحث آئے ہیں وہ اہل علم و نظر میں قابل بحث و نظر ضرور ہیں لیکن اس لٹریچر کے پیچھے نرے علم و فکر کی کارفرمائی نہیں ہے۔ اخلاق و عمل کے میدان میں جو بڑے بڑے خلا موجود ہیں انہیں کا سراغ انہوں نے لگانے کی کوشش کی ہے اس لئے مجرد الفاظ کو پڑھنے والا کوئی شخص انہیں "مقام عدل" سے ہٹا ہوا محسوس کرتا ہے ورنہ امر واقعہ یہ ہے کہ ان کی لکھی ہوئی ایک ایک سطر کے پیچھے دین و اخلاق کے مجروح ہونے کی کراہ موجود ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ ان کی کتاب میں "باطن" قدرے غالب آگیا ہے حالانکہ اسے تو غالب آنا ہی چاہیئے کہ دین میں اہم و اقدم یہی چیز ہے۔ خصوصیت سے جہاں یہ چیز معدوم ہو بلکہ اس کا صریح انکار پایا جاتا ہو وہاں تو اس کا غالب آنا بالکل فطرتی بات ہے۔ فرد کا ارتقاء دین میں اصل چیز ہے اور جماعت محض اس کی مددگار ہے اور دینی تعلیمات کی روشنی میں باطن کو غالب اور ظاہر کو مغلوب ہی رہنا چاہیئے پھر جہاں فرد کا ارتقاء تو درکنار سرے سے فرد کی انفرادیت ہی غائب ہو اور جہاں ظاہر پرستی اس حد کو پہنچی ہوئی ہو کہ باطن کا نام و نشان ہی مٹ گیا ہو وہاں کم سے کم وہی بات کی جا سکتی ہے جو خاں صاحب کی کتاب سے ظاہر ہوتی ہے۔

احقر
ابو منظور شیخ احمد

وُہ سجدہ رُوحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

المنبر کا ہر شمارہ —— فرقہ وارانہ اُلجھنوں سے یکسر الگ رہ کر

- ● —— اسلامی دعوت
- ● —— اسلام کی بُنیاد پر اُمت کی دعوت
- ● —— عالمِ اسلام کے اتحاد
- ● —— اسلامی دولتِ مشترکہ کے قیام
- ● —— اُمت میں ولولہ جہاد پیدا کرنے —— اور
- ● —— اذہان و قلوب میں ایمان و یقین پیدا کرنے کے عزم و عمل کا

علمبردار ہوتا ہے۔

المنبر کا مطالعہ فرمائیے اور دل کی دُنیا کو آباد کیجیے،

ہر ماہ —— تین ہفتہ وار اشاعتیں
—— ایک ماہوار اشاعت
زرِ تبادلہ
۱۲/- روپیہ سالانہ

★ - قادیانیت۔ عیسائیت، پرویزیت۔ فحاشی و عُریانی کی بیخ کنی المنبر کا امتیازی حسن ہے،

ہفت روزہ،

المنبر
لائل پور
جناح کالونی

رئیس التحریر —— مولانا عبدالرحیم اشرف

محی الدین پرنٹر پبلشر نے نقوش پریس لاہور میں چھپوا کر دار الاشاعت الاسلامیہ بالمقابل ڈاکخانہ کرشن نگر لاہور سے شائع کیا۔

”...... کتاب کل شام کو ملی تھی ، جب سے دو مرتبہ پڑھ چکا ہوں ، مبالغہ نہیں اظہار واقعہ ھے کہ اس وقت سے ذھن میں خیالات کا بہاؤ تھمنے میں نہیں آتا — — — — — — — — — — — — — — — —

حاصل کلام یہ ھے کہ :—

✱ ابوالاعلیٰ مرحوم اپنے علم اور انجام کے لحاظ سے ابوالکلام مرحوم کے جانشین ھیں - جس طرح ایک مرحلے پر آ کر ابوالکلام اپنی علمی موت مر چکے تھے، اسی طرح [illegible]والاعلیٰ مر چکے -

✱ دونوں کالج اور دارالعلوم کی تعلیم سے محروم رھے -

✱ دونوں اس طوفان کو اور اس کی توانائی کو جو انھوں نے create کی تھی utilise نہیں کر سکے -

✱ ان کی شخصیت کی زبردست چھاپ جماعت کی تباھی میں فیصلہ کن ثابت ھوئی -

پوری کتاب سیرحاصل تبصرہ چاھتی ھے - بہرحال جیسا آپ نے لکھا ھے جماعت کے دور اول کی خصوصیات اور دور ثانی کی تبدیلی اظہر من الشمس ھے -

میثاق کے تقریظ نگار نے تبصرہ محمودی پر تبصرہ کرتے ھوئے نادانستہ نزاعی مسائل کو زندہ کرنے کی کوشش کی ھے - حضرت علی کی خلافت ، امیر معاویہ کی امامت اور یزید کی جانشینی اور ان مسائل پر صحابۂ کرام کا اجماع اسقدر آسان مسائل نہیں ھیں کہ سرسری طور پر ان میں رائے دیدی جائے - اس طرح تحقیق کا حق بھی ادا نہیں ھوتا ھے بلکہ لوگوں کے جذبات مجروح ھوتے ھیں اور فساد کا دروازہ کھلتا ھے - حضرت ابوبکر و عمر کے پرامن زمانہ کی سب سے بڑی وجہ ان نفوس قدسی کا وجود تھا جن کی تربیت حضور نے کی تھی اور حضرت عثمان کے دور میں فتنوں کی اصل وجہ وہ نوجوان عنصر تھا جو حضور کے بعد کے زمانہ میں پروان چڑھا تھا اور جو رضائے الٰہی سے زیادہ عہدوں کا خواستگار تھا - اگر عثمان سب سے پہلے خلیفہ ھوتے تو ان کا زمانہ اور اس کی تاریخ ، خلافت اولیٰ سے مختلف نہیں ھوتی - اس بات سے تاریخ کا ھر طالب علم واقف ھے کہ حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت کے شروع کے چھ سال اس قدر درخشاں تھے کہ حضرت عمر کے اور ان کے زمانہ میں کوئی فرق نہیں معلوم ھوتا تھا -

اس بات کو آپ سے بہتر کون جانتا ھے کہ سیرت و کردار کی تعمیر اور تربیت ، سوسائٹی کے Stabilisation کے لیے کسقدر ضروری ھے اور یہی تربیت قریش کے نوجوان عنصر کو بوجوہ میسر نہ ھو سکی - - - - - “

ڈاکٹر سید اسلم - ایم بی بی ایس
St. Woolos' Hospital,
Newport
Wales, U. K.

✱ ”میثاق“ ھر ماہ کی پانچ تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ھے -

✱ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ بیس تاریخ تک دفتر کو موصول ھوجانی چاھئے ، ورنہ دوبارہ پرچہ ارسال نہیں کیا جا سکے گا -

✱ ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ھے -

✱ پرچہ صرف بذریعہ وی پی پی ارسال ھوگا -

✱ کمیشن ۲۵ فی صد — محصولڈاک بذمہ میثاق -

Regd. No. L. 7360.

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 12 | OCTOBER 1966 | No. 4

هم سے طلب فرمائیے

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

★

تفسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ

صفحات : ۳۶ ، ہدیہ : ۷۵ پیسے

اسلامی قانون کی تدوین

صفحات : ۱۶۰ ، قیمت : ۳ روپے — سستا ایڈیشن : ۲ روپے

عائلی کمشن رپورٹ پر تبصرہ — صفحات : ۱۲۸ ، قیمت : ۲٫۲۵ روپے

اسباق النحو

تصنیف مولانا حمیدالدین فراہی رحہ

قیمت : ۱٫۱۵ روپیہ

حصہ دوم

۱٫۰۰ روپیہ

جماعت اسلامی

- کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی؟
- آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے؟
- قیام پاکستان کے بعد اس نے کیا طرز عمل اختیار کیا؟ اور
- اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

جماعت کے ماضی و حال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریک جماعت اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف

ڈاکٹر اسرار احمد [illegible]

سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان و امیر جماعت اسلامی منٹگمری

● ضخامت ۔ ۲۰۰ صفحات ● سائز بڑا ● طباعت آفسٹ ● مجلد مع گردپوش

● قیمت ۔ ۴ روپے علاوہ محصول ڈاک

دار الاشاعت الاسلامیہ

[illegible]

امثال آصف الحکیم

تصنیف مولانا حمیدالدین فراہی رحہ

قیمت : ۱٫۳۷ روپیہ

دار الاشاعت الاسلامیہ

بالمقابل ڈاکخانہ کرشن نگر ، لاہور۔ ۱